بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ تقلید کا عام فہم اور مدلل بیان

ضرورتِ تقلید

مؤلف:

حضرت علامہ مولانا محبوب احمد المعروف خیر شاہ صاحب حنفی
نقشبندی مجددی امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمْ

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الرَّؤُفُ الرَّحِیْمْ

بے حساب شکر اُس ذات واحد مطلق کا جس نے اپنی معرفت کے واسطے انبیاء و اولیاء و علماء کو پے در پے ارسال فرمایا اور درود نا معدود و سلام غیر محدود اُس کے حبیب پاک پر جس کے ذریعہ ہم کو شریعت و طریقت و معرفت حاصل ہوئی اور ہزاروں تحائف اُس کے آل و اصحاب و اولیاء پر جن کے طفیل اسرار قرآنی و رموز فرقانی اس امت پر کھل گئے۔

اَمَّا بَعْدُ:

واضح ہو کہ دین حق و راہِ صادق ہم کو بذریعہ علماء دین و صلحاء کاملین بتواتر ملا۔ پھر اگر علماء صلحاء کو گمراہ سمجھ کر اُن کی تقلید ترک کی جائے تو پھر اسلام کا کچھ حصہ باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ احکام اسلامیہ و مسائل شرعیہ نقلی ہیں اور ان کے ناقلین علماء و صلحاء ہیں۔

(دیکھو رسالہ انصاف از شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ)

اگر اُن کی تقلید کو ترک کر دیا تو گویا صاف طور پر دین کو چھوڑ دیا۔ کیونکہ دین ہاتھ آیا تقلید کے ذریعہ تو جب تقلید چھوڑی تو دین گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ٥

اب اگر صرف الفاظ قرآن پر دارومدار ہے تو غیر مجتہد و بے علم کو شیطان ہزار ہا مقامات پر گمراہ کرنے کو تیار ہے۔ چنانچہ چکڑالوی و نیچری و مرزائی' دین کی حقیقت سب کو معلوم ہے پھر اگر خالی احادیث پر تکیہ کیا جائے تو اس کی صحت و سقم پر تحقیق و تصدیق ضروری ہے کیونکہ بلا تفتیش و تحقیق' جرح و تعدیل کا ثبوت محال ہے اور یہی کام زیادہ تر مجتہد کے متعلق ہے۔ عام محدثین مثل بخاری و مسلم وغیرہما کو اس میں بہت کم حصہ ہے۔ بمقابلہ حضرات مجتہدین رحمہم اللہ کے۔ پھر اگر بلا تحقیق و تصدیق احادیث کو اپنا مدار اعمال ٹھہرایا تو اس میں سخت گمراہی کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ فرمایا حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ نے:

الحديث مضلة الا للفقهاء كما نقله الامام العلامة ابن الحاج مالكى فى مدخله.

یعنی حدیثیں فقہاء کے سوا سب کو پریشان کرتی ہیں۔

وجہ اس کی صاف ہے وهم اعلم بمعانى الحديث كما قال الترمذى فى ابواب الجنائز وقاله ابن حجر فى القلائد

یعنی فقہاء لوگ زیادہ جاننے والے ہیں معانی حدیث کو

اور ابن قیم اپنی کتاب اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں:

لا يجوز لا حد ان يا خذ من الكتاب والسنة مالم يجتمع فيه شروط الاجتها د و من جميع العلوم ۔

یعنی کسی شخص کو جائز نہیں کہ قرآن و حدیث سے احکام نکالے جب تک کہ اُس میں اجتہاد کی شرطیں اور جملہ علوم کی تحصیل نہ پائی جائے۔

کفایہ میں ہے:

العامى اذا سمع حديثاً ليس له ان يا خذ بظاهره لجواز ان يكون مصروفا عن ظاهره او منسوخا بخلاف الفتوىٰ

اور تقریر شرح تحریر میں ہے:

ليس للعامى الاخذ بظاهر الحديث لجواز كونه مصروفا عن ظاهره او منسوخا بل عليه الرجوع الى الفقهاء ۔

خلاصہ ہر دو عبارات کا یہ ہے کہ غیر مجتہد کو جائز نہیں کہ کسی سے کوئی حدیث سن کر فوراً اُس کے الفاظ پر تعمیل کرے کیونکہ کئی حدیثیں تو منسوخ ہیں۔ کئی اپنے محل اور وقت پر موقوف ہیں کئی مفتی بہ مسئلوں کے خلاف ہیں تو عامی کو سخت پریشانی ہوگی۔ بلکہ لازم ہے

یعنی عوام کو تقلید صحابہ سے منع کر کے اماماں مذاہب اربعہ پر کھڑا کیا جائے پس جب تمام محققین کی تحقیق یہی ہے کہ مسلمانوں کو چار اماموں کا مقلد بنایا جائے تو اس اجماع کو توڑنے والا اصاف گمراہ بدعتی ملحد ہوگا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تمام اقسام کے مسائل نصی و اجماعی و اخلاقی کی تحقیق و تصدیق، تفصیل و تنقیح سوائے کتب فقہاء مجتہدین کے اور کہیں نہیں ملتی۔ کیونکہ صحابہ کرام کی جماعت میں سے کسی صاحب نے نہ تو کوئی تفسیر و حدیث کی کتاب لکھی، نہ کوئی فقہ و اصول کی کتاب تیار کی۔ کیونکہ ان کو رات دن فتوحات ملکی و مہمات جہاد سے بالکل فراغت نہ تھی، نہ ان کو کسی کتاب کی ضرورت تھی۔ وجہ یہ ہے کہ اسرار نبوت و انوار رسالت کا پرتو اُن پر ہر دم پڑ رہا تھا پھر بعد ازاں آئمہ مجتہدین کو خدا نے یہ تاج کرامت و نور فراست بخشا تو انہوں نے کمال دیانت اور تقوٰی و صلاحیت اندرونی و خوف خدا و حمایت دین حق و ترویج احکام و تسہیل عوام کو مد نظر رکھ کر ہر قسم کے مسائل قرآن و حدیث سے نکالے۔ لہذا اب کسی جدید تحقیقات کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ (دیکھو مقدمہ شرح وقایہ اُردو نقلاً) اور نہ حدیث پر بلا تقلید عمل ہو سکتا ہے اور نہ کوئی شخص ایسا دنیا میں موجود ہوا نہ ہوگا کہ حضرات ائمہ اربعہ سے بڑھ کر ان کی تحقیقات ہو۔ پس فی زمانہ جس کو دین اسلام کی پوری ضرورت ہے وہ تو تقلید اماماں کی کر کے مومن صادق و ناجی بن جائے گا اور جو شخص تقلید سے خارج ہو گیا وہ مردود ہوا۔

اس خاکسار راقم الحروف نے جب دیکھا کہ آج کل لوگ نجات المومنین و تفسیر محمدی (کتب غیر مقلدین) پڑھ کر اپنے آپ کو مجتہدوں سے بڑھ کر مہدی و مسیح بھی کہلاتے ہیں اور مجتہدوں پر طعن کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں تو چند اوراق مثل تریاق لکھنے کا خیال پیدا ہوا تا کہ مقبول ازلی مقلد بنے اور شقی ابدی انکار و مخالفت اور ردّ و تردید کرے۔

اب اس رسالہ کے ناظرین کی خدمت میں عرض کی جاتی ہے کہ تقلید شخصی کے

کہ فقہاء و مجتہدین کی طرف رجوع کرے تا کہ جو مسائل بعد از تدقیق و تصحیح و تحقیق و تصدیق احادیث وصحت و صلاحیت پا گئے ہیں۔ ان پر بلا دھڑک عمل کیا جائے۔ (دارمی ص ۸۰)

ایسا ہی مضمون ہے مقدمہ شرح وقایہ اُردو میں نقلا عن روضة الطالبين لامام النووی

یہی بیان علامہ دہر سید سمہودی عقد فرید میں لکھتے ہیں:

وقد قال محقق الحنفية الكمال ابن الهمام رحمة الله عليه نقل الامام الرازی اجمع المحققين على منع العوام من تقليد اعيان الصحابة بل يقلدون من بعد هم الذين يسروا ووضعوا و دوّنوا۔ الخ۔

یعنی علماء محققین کا اس پر اجماع ہے کہ صحابہ کی تقلید سے عام مسلمانوں کو روک دیا جائے اور آئمہ فقہاء کی تقلید پر لگا دیا جائے۔

اور اس طرح بیان کیا ہے صاحب مسلم الثبوت نے۔ وہ عبارت یہ ہے:

اجمع المحققون على منع العوام من تقليد الصحابة بل عليهم اتباع الذين يسروا و بوبوبوا و هذبوا ونقحوا و فرقوا وعللوارو فصلوا و عليه ابتنى ابن الصلاح منع تقليد غير الائمة۔

یعنی عوام کو صحابہ کی تقلید سے ہٹا کر اُن لوگوں کی تقلید پر جمایا جائے جنہوں نے جملہ مسائل اسلامیہ اتفاقیہ و اختلافیہ و اصولیہ و فروعیہ کی خوب تصحیح و تنقیح و تکمیل و تفصیل کی ہے

اور فرمایا امام استوئی نے شرح منہاج الاصول میں (جو قاضی بیضاوی کی ہے)

قال الامام الحرمين فى البرهان اجمع المحققون على ان العوام ليس لهم ان يعلموا بمذاهب الصحابة بل عليهم ان يتبعوا مذاهب [1] الائمه۔ الخ

---

[1]: ان اصحاب السنة والجماعة هم اهل المذاهب الاربعة۔ الخ۔ (عقود الجواهر المنيفة ص ۱۵)

وجوب کے دلائل تحریر کرنے سے پہلے چند امور عقلی ونقلی کا بیان کرنا ازبس ضروری ہے۔ تاکہ یہ مسئلہ صاف طور پر سمجھ میں آکر ذہن نشین ہو جائے اور ہر اک زکی وغبی کے فہم میں بآسانی آجائے۔ وہ امور بطور مقدمہ ہیں یاد کرنا ان کا ازحد مفید ہے۔

مقدمہ

اے ناظرین اہل دین آپ ان امور کو بخوبی یاد کرلیں تاکہ رسالہ کا مضمون اور مقصد اصلی آپ کے خیال میں نہایت عمدگی سے بیٹھ جائے اور کسی قسم کا شک وتردد نہ رہے۔

امر اوّل: ارشاد رب العباد ہے:

لکل قوم ھاد ط (پارہ ۱۳، سورۃ الرعد آیت نمبر ۷)

ولکل وجھة ھو مولیھا (پارہ ۲، سورۃ بقرہ، آیت نمبر ۱۴۸)

یعنی ہر اک قوم کے واسطے ایک ایک ہادی مقرر ہے اور ہر اک شخص کے واسطے ایک ایک جہت مقرر ہے اور اُسی جہت واحدہ مقررہ کی طرف وہ متوجہ ہونے والا ہے۔

یہاں پر لفظ قوم پر نظر کرنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ لفظ قوم اپنے لفظی ومعنوی مفہوم کے لحاظ سے عموم وخصوص پر دلالت کرتا ہے۔ کبھی تو اہل ملت پر بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ قوم ہود، قوم نوع، قوم لوط، قوم صالح، قوم عاد، قوم موسیٰ، قوم عیسیٰ وغیرہ اور کبھی بلحاظ پیشہ وتجارت کے بولا جاتا ہے۔ جیسا قوم ارائیں، قوم قصاب، قوم خوجہ، قوم بافندہ وغیرہ اور کبھی بوجہ نسبت ملکی قوم کہا جاتا ہے۔ مثلاً قوم پنجابی، قوم کشمیری، قوم ہندوستانی، قوم افغانی وغیرہ۔ کبھی بوجہ اضافت مذہبی واقتدائے مذہب بولا جاتا ہے اور کبھی بلحاظ صفت بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے باربار تفصیل سے یوں ارشاد فرمایا ہے:

لقوم یومنون (پارہ ۸، سورۃ اعراف آیت ۵۲)

و قوم فرعون (پارہ ۹، سورۃ اعراف، آیت نمبر ۱۲۷)

لقوم یعلمون (پارہ ۱۰، سورۃ توبہ آیت ۱۱)

و قوم الفاسقین (پارہ ۱۰، سورۃ توبہ، آیت ۱۴)

لقوم یتقون . لقوم یتفکرون ، لقوم یسمعون ، للقوم الظالمین (یونس) قوم المجرمین (یوسف) لقوم یعقلون (رعد) قوم منکرون (الحج) لقوم یذکرون (نحل) قوما لدا (مریم) لقوم عابدین (انبیاء) قوما بورا (فرقان) قوما ضالین (مؤمنون) لقوم یوقنون (جاثیہ)

غرض کہ لفظ قوم سے ایک فرقہ ایک جماعت مراد ہے، خواہ وہ جماعت قلیل ہو یا کثیر۔ پس اس سے صاف نتیجہ نکلا کہ ایک قوم کیلئے ایک ہی ہادی وامام مقرر و بہتر ہے۔ دو کا مقلد نہیں ہوسکتا۔ پس کیونکر صادق ہوگا وہ شخص جو کبھی شافعی بنے کبھی حنفی، کبھی مالکی اور اپنے دل کو ہر اک کا تابعدار بنائے۔ مثلاً ایک شخص خدا کی عبادت کرتا ہے مگر منہ اُس کا صرف ایک قبلہ کی طرف ہی بہتر ہے۔ اگر بموجب آیہ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ کے ہر اک طرف ذات حق کو خیال کر کے ہر طرف سجدہ کرے تو کیسا احمق ہوگا۔ باوجود اس کے کہ ذات حق ہر طرف برابر ہے۔ پس گویا صاف تعلیم ہے کہ ایک ہی جہت میں تسکین ہے۔

امر دوم: ازروئے شرع شریف احکام تین نوع پر ہیں۔

(۱) صاف رُشد وہدایت۔ یہ تو از قسم حلال واجب الاتباع ہیں۔

(۲) صریح غی وضلالت۔ یہ از قسم حرام واجب الترک ہیں۔

(۳) مختلف فیہا یعنی جن میں اہل علم مجتہدین کا اختلاف ونزاع ہے۔ بعض کے نزدیک تو بعض امور جائز وبعض حلال اور بعض کے نزدیک وہی چیزیں وہی امور حرام و ناجائز ہیں۔ کیونکہ ان کی نسبت کوئی حکم صریح ونص جلی وارد نہیں۔ تو ایسی حالت میں

غیر مجتہد کا حق نہیں کہ احکام اجتہادیہ کی از سرِ نو تحقیق و تصدیق کر کے ترجیح و تفصیل بیان کرے پس بجز ایک امام کے چارہ نہیں اور شارع نے اس تیسری نوع کے متعلق حضور علیہ السلام نے تین ارشاد فرمائے۔ ایک تو فرمایا:

امر مختلف فیہ فکلہ الی اللہ (رواہ احمد)

یعنی اختلافی امور کو تو خدا کے سپرد کر اور تو اپنا دخل نہ دے۔ کیونکہ تجھ میں اس قدر تحقیق و تفتیش کا مادہ و قابلیت لیاقت نہیں جو فقہاء مجتہدین کی تحقیقات و فیصلہ جات پر غور و خوض کرے بلکہ تو اگر کرسکتا ہے تو یہ کر:

یہ دوسرا فرمایا فمن اتقی من الشبہات فقد استبراء للدینہ و عرضہ و من وقع فی الشبہات وقع فی الحرام (متفق علیہ)

یعنی جب شک و شبہ پیدا ہو اور بوجہ اختلاف کے ایک چیز کی نسبت حلت و حرمت کا اشتباہ پڑے تو سیدھا طریق سلامتی کا یہ ہے کہ مشتبہ چیزوں سے بچتے رہو کیونکہ جب مشتبہ چیزوں پر تم نے دلیری کر کے کھانا پینا و جواز ثابت کرلیا تو بس اب تم حرام خواری میں پڑ جاؤ گے۔ جس نے مشتبہ چیزوں سے پرہیز کیا تو بے شک اُس نے اپنا دین و ایمان بچا لیا۔ چنانچہ یہ حدیث بھی اس کی مؤید ہے۔ دع ما یریبک الی ما لا یریبک (رواہ ابن حبان) پس جب تقلید کے ترک سے ہزارہا نقصانات نظر آئے اور شک و شبہ پیدا ہوا۔ آخر الامر نتیجہ کیا نکلا کہ اماموں پر طعن و الزام اور مجتہدین پر اغلاط کا اتہام یہاں تک کہ تقلید سے نکل کر وہابی ہوئے۔ وہاں سے کچھ نہ ملا تو نیچری بن گئے۔ وہاں سے کچھ نہ ملا تو مرزائی ہو گئے۔ پھر سب سے نکل کر عیسائی بن گئے۔

سچ ہے: اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار۔

تیسرا فرمایا: پاک پروردگار کا قول: لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحہا

(پارہ ۸، سورۃ اعراف آیت ۵۶)

یعنی بعد اصلاح کے فتنہ فساد نہ کرو۔

اب تیرھویں صدی کے آخر تک سب مسلمان پابند تقلید تھے۔ قرب اختتام تیرھویں صدی پر وہابی گروہ کا زور ہوا تو بس فتنہ فساد گھر گھر دہ بہ دہ شروع ہوا۔ آخر الامر جس طرح ہر اک پیشہ و تجارت مثلاً مے فروش و طوائف و نقال و ناٹک وغیرہ کو سرکار انگریزی کی طرف سے عام اجازت ہے، جس طرح جس وقت جہاں چاہیں کرسکتے ہیں اسی طرح بلحاظ مذہبی آزادی کے وہابیوں کو بھی عام اجازت مل گئی۔ اب زہے طالع اُس کے جس کی طرف عیسائی اور خہے طالع اُس کے جس کی طرف امامان دین و سلف صالحین غیر مقلدین کی خوش نصیبی کی کافی دلیل یہی ہے کہ کل مسلمانان روئے زمین ان کے مخالف اور صرف عیسائی وہابیوں کے مؤید۔

امر سوم: پاک پروردگار نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جگہ پر یوں ارشاد فرمایا: فبھدھم اقتدہ (پارہ ۷، سورۃ الانعام، آیت نمبر ۹۰)

یعنی انبیاء سابقین کی ہدایت کی اتباع کر۔

دوسری جگہ یوں حکم ہوا:

اتبع ملۃ ابراھیم حنیفاً۔ (پارہ ۱۴، سورۃ نحل، آیت ۱۲۳)

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کر۔

اس کی کیا وجہ ہے کہ باوجود سب انبیاء کرام علیہم السلام کی توحید و ہدایت تو ایک ہی تھی پھر تخصیص بعد از تعمیم ایک ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا حکم کیوں ہوا؟ بظاہر ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وصف خاص حنیفاً فرمایا۔ یعنی یک رخ یک جہت تھے۔ اس قسم کے مسلمان نہ تھے کہ بین بین چال چلتے یا ہر دلعزیزی کو مدنظر رکھ کر تذبذب کو اختیار کرتے بلکہ صاف یکجہتی کو اختیار کرلیا تھا۔ تو یہ وصف خدا کو زیادہ پسند آیا تو

فرمایا کہ ابراہیم حنیف کی ملت پر چلو۔ پس ثابت ہوا کہ یکطرفہ آدمی خدا کو پیارا ہے اور ہر
رنگی و ہرجائی ناپسند ہے۔ یہی فرق تقلید وغیر تقلید میں ہے۔ پھر یہ بھی عیاں ہے کہ مقصود
ذات باری کا یہی ہے کہ تم بھی یکطرفہ بنو کیونکہ گو سب انبیاء ومرسلین حق پر ہیں مگر پھر بھی
ایک ہی کی اطاعت بہتر وافضل ہے اور اسی میں صلاحیت واحسان موجود ہے۔ پس جبکہ
سب اہل حق واہل اللہ کو برحق وہادی وامام الناس جان کر ایک ہی کا اتباع کرنا منشاء ربی
ہے۔ تو پھر سب مجتہدین کو راجع الی الحق سمجھ کر ایک کی تقلید کرنا کیوں معیوب ومکروہ ہے
بلکہ فی الحال مقبول ازلی کی علامت ہی تقلید ہے۔

امر چہارم: جس طرح سب کتابوں پر ایمان لانا اور سب کا منجانب اللہ ہونا تسلیم کرنا
لازمی ہے مگر بوقت تعمیل وارشاد صرف ایک ہی کتاب قرآن مجید کو دستاویز ومستند بنانا
ضروری ہے اسی طرح سب مجتہدوں کو رہنمائے صادق جان کر بوقت معاملات و
عبادات وقضاؤ افتاء ایک ہی امام کی تقلید کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ باوجودیکہ کل کتب و
صحائف انبیاء من اللہ ہیں پھر ایک ہی کتاب پر ایمان کا دارومدار اور اعمال واقوال کا
معیار رکھنا اس کی کیا وجہ ہے؟ بظاہر وجہ یہ ہے کہ ہر اک کتاب میں مسائل مختلف ہوتے
ہیں اور ہر اک کتاب کے احکام وفرامین حسب زمانہ ومصلحت وقت ومناسب ضرورت
ہوتے ہیں تو ایک کتاب پر عمل کرنے سے ایک قسم کا نفاق پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تورات پڑھتے دیکھ کر بغضب ہو کر فرمایا

لو کان موسیٰ حیاما وسعہ الا اتباع۔ الحدیث (دارمی)

یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام جیسا صاحب کتاب ومرسل ومقرب وکلیم اللہ بھی
میرے وقت میں موجود ہوتا تو وہ بھی میری ہی متابعت کرتا حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ
السلام بھی صاحب کتاب ومرسل تھے اور ان کی کتاب کا دیکھنا حضرت عمر فاروق رضی

اللہ عنہ جیسے کو کچھ مضر بھی نہ تھا۔ مگر چونکہ پریشانی طبع کا اندیشہ تھا یا اگر حضرت عمر رضی اللہ
عنہ کو کچھ ڈر بھی نہ ہو لیکن ان کو دیکھ کر شاید اور لوگ بھی پڑھنا دیکھنا شروع کرتے تو سخت
خرابی پیدا ہوتی۔ اس واسطے مطالعہ سے بھی منع فرمایا۔ اسی طرح حضرات مجتہدین بھی
بہت مسائل میں باہمی مختلف ہیں اور مسائل مختلف فیہ میں حق بجانب واحد ضروری ہے
اور اسی موقعہ پر بجز ایک مجتہد کی تقلید کے کوئی طریق صواب بھی نہیں اور ایک کی تقلید سے
نفاق واختلاف کی آگ سے بچ جاتا ہے۔ چنانچہ سب علماء دین واولیاء کاملین کا بھی
طریق عمل رہا اور ہے۔

امر پنجم: حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تا جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر
انبیاء ومرسلین گزرے ہیں۔ وہ سب کے سب برحق وہادی صادق تھے مگر باوجود تصدیق
واقرار جملہ انبیاء ومرسلین متابعت صرف ایک ہمارے سید ومولیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کی ہی ضروری ولازمی ہے۔ اس کی وجہ بھی وہی تقلید شخصی ہے کیونکہ اگرچہ سب پر
ایمان لانا فرض ہے مگر اتباع ایک ہی کی لازم ہے تاکہ تذبذب اور اضطراب سے نکل کر
سیدھا حق پر کھڑا رہے اور ایک طرفہ مسلمان کہلائے اور اگر کوئی کہے کہ چونکہ سب انبیاء
علیہم السلام برحق ہیں تو میں سب کی شریعتوں پر عامل ہو جاؤں اور تمام ادیان کے احکام
ومسائل کا پابند ہوں گا شخصی نبوت کی اتباع کیا ضرور ہے تو ایسا شخص ضرور گمراہ ہوگا کیونکہ
اکثر مسائل واحکام میں انبیاء کرام باہم علیحدہ ہیں تو ہر اک نبی کے حکم پر موضع اختلاف
میں عمل کرنا سخت ناگوار ہے۔ لہذا ایک ہی نبی کے اتباع میں کل انبیاء علیہم السلام کی
اتباع آ گئی اسی طرح جملہ مجتہدین اگرچہ مدعی حق ومتبع سنت ہیں اور اتفاقی مسائل میں تو
سب کی اتباع ہو جاتی ہے مگر عندالاختلاف ایک ہی امام کی تقلید کافی ہے۔ ورنہ کبھی ایک
مجتہد کو غلطی پر قرار دے گا اور کبھی دوسرے کو خطا پر قائم سمجھ کر اپنا ایک جدا مذہب بنا کر خلق

خدا کو گمراہ کرے گا۔ چنانچہ نیچری، مرزائی، وہابی، چکڑالوی کا حال سب کو معلوم ہے۔

امر ششم: جس طرح دنیاوی مسافروں پر لازم ہے کہ اپنے قافلہ میں سے ایک ایسے شخص کو امام و راہنما بنائیں جو سفر کے حالات و تکالیف اور مقامات راحت و رنج وغیرہ کا واقف ہو اور مسافرین اُس کے پیچھے برابر اقتدا کر کے سیدھے منزل مقصود پر پہنچ جائیں چنانچہ حدیث میں ہے:

اذ خرج ثلثة فی سفر فلیومروا احدھم ۔ (رواہ ابوداؤد) و فی روایة لا یحل الثلثة یکونوا بفلارة من الارض الا امروا علیھم احدھم۔ (رواہ احمد)

یعنی سفر میں اپنی جماعت سے ایک شخص کو امام و مقتدا بنا کر چلو تا کہ سیدھی راہ ملے اسی طرح صراط مستقیم راہ حق پر چلنے والے بھی ضرور اپنا کوئی ایک امام مقرر کر کے راہ پر چلیں کیونکہ یہ راہ بھی ایک نہایت نازک راہ ہے اور اس راہ میں کئی قسم کے شیطان انسانی و جنانی لوٹ مار کو تیار ہیں اور یہ قافلہ اہل ایمان کا بار بار واپس آنے والا بھی نہیں اور اس راہ کی ضروریات و لوازمات سفر بھی پھر ملنے کے نہیں۔ اس واسطے فرض ہے کہ مسلمان لوگ مجتہد کو اپنا امام بنا کر اُس کی تقلید کریں تا کہ بمضمون حدیث ان الشیطان مع الفرد کہیں شیطان غیر مقلد بنا کر برباد نہ کرے۔

امر ہفتم: اتباع آئمہ مجتہدین عین اتباع ارشادات انبیاء و رسل ہے کیونکہ ہر اک امام اپنی اپنی تحقیقات و معلومات میں من حیث ادلہ شرعیہ حق پر ہے اور بدیں لحاظ امام اپنے جملہ عقائد و اعمال میں متبع حق ہے کیونکہ مجتہد یا تو احکام و مسائل اخذ کرے گا۔ کتاب و سنت و اجماع سے تصریحاً و تخریجاً یا استدلال کرے گا اجتہاد سے تو بہرحال وہ مطیع الرسول و متبع حق ہوا۔ پس جو شخص متبع حق ہو اُس کی اتباع فرض ہے کیونکہ وہ اتباع حق ہے والحق احق ان یتبع۔

سوال: اتباع اگر فرض ہے تو سب متبعین حق کی نہ صرف ایک ہی کی۔

جواب: اس سوال کا جواب امر دوم و ششم میں گذرا ہے۔ امر پانزدہم میں آتا ہے مگر فی الجملہ کچھ عرض یہاں بھی کرتا ہوں وہ یہ کہ اگرچہ سب متبعین حق کی اتباع فرض ہے۔ مگر ایک کی بھی تو فرض ہوئی۔ مثلاً جیسا کہ پانچ نمازیں فرض ہیں ایک بھی تو فرض ہے۔ یا جیسا اقیموا الصلوٰة واتوا الزکوٰة میں سب پر نمازیں فرض ہیں۔ ایک پر بھی تو فرض ہے پس جس طرح ایک نماز کے وقت پانچوں نمازوں کا جمع کر کے پڑھنا گناہ کبیرہ ہے یا ہر اک نماز سے قدرے قدرے حصہ لے کر ایک نماز بنا کر پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح سب مذاہب ملا کر عمل کرنا یا ہر اک مذہب سے چن چن کر حسب منشاء مسائل پر عمل کرنا سخت منع ہے بالاجماع۔ سیاتی بیانہ انشاء اللہ۔ جس طرح ایک نماز کے وقت دوسری فرض نہیں جب تک دوسری نماز کا وقت نہ آئے دوسری فرض نہیں۔ مثلاً صبح کو ظہر و عصر کی نماز فرض نہیں اور مغرب کو صبح و عشاء فرض نہیں۔ اسی طرح ایک امام کی تقلید کے وقت دوسرے کی تقلید منع ہے۔

امر ہشتم: حدیثوں میں بار بار آیا ہے کہ نماز میں وہ شخص امام ہو جو اتقی وافقہ واعلم ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

یوم القوم افقھھم فی الدین واعلمھم بالسنة (الحدیث، مشکوٰة)

یعنی امام وہ ہو سکتا ہے جو زیادہ عالم اور زیادہ فقیہ ہو۔ اگرچہ اور لوگ بھی ہو سکتے ہیں مگر اعلم وافقہ کے ہوتے ہوئے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ کتب فقہ و مظاہر حق میں خوب تشریح موجود ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ہر قسم کے متقی و بزرگ و قاری و بوڑھے و مہاجرین موجود تھے۔ مگر پھر بھی حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لا ینبغی لاحد ان یوم القوم و فیهم ابوبکر (رواہ الترمذی)

یعنی جس جماعت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ موجود ہو تو اور کوئی دوسرا شخص امام نہ ہو یعنی ابوبکر ہی امام بنے۔

اب ہر ایک عقلمند یہ خیال کر سکتا ہے کہ قوم میں سے اعلم کو امام بنانے سے کیا مرضی ہے کہ ایک ہی امام کافی ہے اور یہ بات بھی قابل تامل ہے کہ جب نماز کے واسطے جو صرف وقتی اقتداء ہے۔ اعلم وافقہ کی شرط ہے تو دینی معاملات وعقائد وایمانیات وغیرہ میں تو زیادہ تر اعلم وافقہ کی اتباع واجب ہے۔ دیکھو باوجودیکہ اکثر صحابہ کرام علوم وعقائد وفرائض سے واقف اور شرافت وکرامت پر فائز تھے مگر ان کی موجودگی میں پھر بھی ایک صدیق اکبر کو امامت کا حکم دیا اور ماسوائے ان کے اوروں کو منع فرمایا۔ پس اسی طرح تمام علماء کے بالمقابل ایک امام الامہ سراج الائمہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اعلم وافضل و اکمل ہیں۔ پھر ایسے امام العالم کو چھوڑ کر ترجمہ خوان مشکوٰتی مولویوں یا تفسیر محمدی کے تحصیل یافتوں کے پیچھے لگ جانا کس قدر نالائق ہے۔ بلکہ جو لوگ اماموں کے دشمن، اولیاؤں کے دشمن، اُن کی غلطیاں نکال کر طعن وتشنیع کرتے ہیں ایسے لوگوں سے اگر اتفاقاً سچ بھی نکل جائے تو ہرگز ہرگز باور نہ کریں کیونکہ شاید بظاہر ہی ہو اور فی الاصل غلط اور بد باطن، بدگو، بدبین، بدعقیدہ کا سچ بھی یقینی نہیں (دیکھو مقدمہ شرح مسلم جلد اول صفحہ ۱۲ اور داری جلد اوّل صفحہ ۵۹ وغیرہ)

امر نہم: جبکہ امامان دین وحضرات مجتہدین حقائق ودقائق قرآنیہ واسرار ونکات احادیث نبویہ کے مظہر ومبین ہیں تو بدیں لحاظ ان کی تقلید کے واسطے دلیل شرعی ونص قطعی کا طلب کرنا سراسر سفاہت وبلاہت ہے۔ کیونکہ حصول اسرار ومقاصد قرآنیہ وارشادات احمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم تو موقوف ہوا اتباع تحقیق مجتہدین پر اور اتباع مجتہدین موقوف ہوا ادلہ

شرعیہ پر تو اس صورت میں دور لازم آیا اور دور وتسلسل ہے جو ثابت ہو وہ حجت نہیں۔ پھر ہم سے دلیل شرعی تقلید پر کیوں طلب کی جاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ تقلید مجتہدین بھی عقلاً واجب ہے اور ثبوت اس کا مثل ثبوت مسائل ایمانیہ واعتقادیہ کو جو سبحانہ و تعالیٰ و ملائکته و کتبه ورسله والحشر والنشر و مثلهم کے ہے۔ پس یہ مسئلہ (تقلید) ثابت ہوا مثل مسائل ایمانیہ واعتقادیہ کے اور نہ لازم ہوا ثبوت اُس کا ادلہ شرعیہ سے بدیں وجہ کہ مسائل شرعیہ کا ثبوت موقوف ہے اتباع آئمہ دین پر اور مسائل کی تحقیق وتصدیق کا دارومدار ہے تقلید وامامان دین پر اور بس۔ ہاں اگر ادلہ نہیں تو صرف مزید تاکید کیلئے نہ یہ کہ موقوف علیہ تقلید قرار دیئے جائیں۔

امر دہم: امامان اربعہ کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کسی بادشاہ کے چار صوبے ہیں اور چاروں ریاستوں کی رعایا پر احکام مختلفہ حسب مناسبت ملک جاری ہیں تو احکام اختلافیہ میں رعایا پر چاروں صوبوں کی اطاعت لازم نہیں اور نہ ان پر کسی قسم کی گرفت ہے کہ تم نے ہر ایک صوبہ کی اطاعت کیوں نہیں کی۔ بلکہ اُسی حاکم وصوبہ کی اطاعت واجب ہے جو اپنی رعایا پر حکمران ہے اور اپنی ملکی حدود کا فرمانروا ہے۔ کیونکہ ہر ملک و ہر اک شہر کے قوانین واحکام جدا اور ہر تحصیل وضلع کے حدود وفرمان جدا ہیں اور ملکی رعایا کے قواعد علیحدہ اور جنگی وفوجی قوانین علیحدہ۔ پس نظر بریں اختلاف ایک حالت ایک حیثیت ایک وقت میں سب حکام کے تابع ہونا نہایت دشوار بلکہ محال ہے۔ ہاں ایک حاکم وقت موجودہ کی اطاعت لازم وآسان ہے اور اس ایک ہی حاکم وقت کی متابعت عین بادشاہ کی اطاعت ہے۔ اسی طرح مذاہب مجتہدین کی تقلید واتباع عین اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

امر یازدہم: جس قدر تمام دنیا کی آبادی اور بلاد وامصار کی تعداد ہے۔ اُن سب میں

خدا کو گمراہ کرے گا۔ چنانچہ نیچری، مرزائی، وہابی، چکڑالوی کا حال سب کو معلوم ہے۔

امر ششم: جس طرح دنیاوی مسافروں پر لازم ہے کہ اپنے قافلہ میں سے ایک ایسے شخص کو امام وراہنما بنائیں جو سفر کے حالات وتکالیف اور مقامات راحت ورنج وغیرہ کا واقف ہو اور مسافرین اُس کے پیچھے برابر اقتدا کر کے سیدھے منزل مقصود پر پہنچ جائیں چنانچہ حدیث میں ہے:

اذ خرج ثلثة فی سفر فلیومروا احدھم ۔(رواہ ابوداؤد) و فی روایۃ لا یحل الثلثة یکونوا بفلاۃ من الارض الا امروا علیھم احدھم۔(رواہ احمد)

یعنی سفر میں اپنی جماعت سے ایک شخص کو امام ومقتدا بنا کر چلو تا کہ سیدھی راہ ملے اسی طرح صراط مستقیم راہ حق پر چلنے والے بھی ضرور اپنا کوئی ایک امام مقرر کر کے راہ پر چلیں کیونکہ یہ راہ بھی ایک نہایت نازک راہ ہے اور اس راہ میں کئی قسم کے شیطان انسانی وجناتی لوٹ مار کو تیار ہیں اور یہ قافلہ اہل ایمان کا بار بار واپس آنے والا بھی نہیں اور اس راہ کی ضروریات ولوازمات سفر بھی پھر ملنے کے نہیں۔ اس واسطے فرض ہے کہ مسلمان لوگ مجتہد کو اپنا امام بنا کر اُس کی تقلید کریں تا کہ بضحوائے حدیث ان الشیطان مع الفرد کہیں شیطان غیر مقلد بنا کر برباد نہ کرے۔

امر ہفتم: اتباع آئمہ مجتہدین عین اتباع ارشادات انبیاء ورسل ہے کیونکہ ہر اک امام اپنی اپنی تحقیقات ومعلومات میں من حیث ادلہ شرعیہ حق پر ہے اور بدیں لحاظ امام اپنے جملہ عقائد واعمال میں متبع حق ہے کیونکہ مجتہد یا تو احکام ومسائل اخذ کرے گا۔ کتاب و سنت واجماع سے تصریحاً وتخریجاً یا استدلال کرے گا اجتہاد سے تو بہر حال وہ مطیع الرسول ومتبع حق ہوا۔ پس جو شخص متبع حق ہو اُس کی اتباع فرض ہے کیونکہ وہ اتباع حق ہے والحق احق ان یتبع۔

سوال: اتباع اگر فرض ہے تو سب متبعین حق کی نہ صرف ایک ہی کی۔

جواب: اس سوال کا جواب امر دوم وششم میں گذرا ہے۔ امر پانزدہم میں آتا ہے مگر فی الجملہ کچھ عرض یہاں بھی کرتا ہوں وہ یہ کہ اگر چہ سب متبعین حق کی اتباع فرض ہے۔ مگر ایک کی بھی تو فرض ہوئی۔ مثلاً جیسا کہ پانچ نمازیں فرض ہیں ایک بھی تو فرض ہے۔ یا جیسا اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ میں سب پر نمازیں فرض ہیں۔ ایک پر بھی تو فرض ہے پس جس طرح ایک نماز کے وقت پانچوں نمازوں کا جمع کر کے پڑھنا گناہ کبیرہ ہے یا ہر اک نماز سے قدرے قدرے حصہ لے کر ایک نماز بنا کر پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح سب مذاہب ملا کر عمل کرنا یا ہر اک مذہب سے چن چن کر حسب منشاء مسائل پر عمل کرنا سخت منع ہے بالاجماع۔ سیاتی بیانہ انشاء اللہ۔ جس طرح ایک نماز کے وقت دوسری فرض نہیں جب تک دوسری نماز کا وقت نہ آئے دوسری فرض نہیں۔ مثلاً صبح کو ظہر و عصر کی نماز فرض نہیں اور مغرب کو صبح وعشاء فرض نہیں۔ اسی طرح ایک امام کی تقلید کے وقت دوسرے کی تقلید منع ہے۔

امر ہشتم: حدیثوں میں بار بار آیا ہے کہ نماز میں وہ شخص امام ہو جو اتقیٰ وافقہ واعلم ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

یوم القوم افقھھم فی الدین واعلمھم بالسنة (الحدیث، مشکوٰۃ)

یعنی امام وہ ہوسکتا ہے جو زیادہ عالم اور زیادہ فقیہ ہو۔ اگر چہ اور لوگ بھی ہوسکتے ہیں مگر اعلم وافقہ کے ہوتے ہوئے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ کتب فقہ ومظاہر حق میں خوب تشریح موجود ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ہر قسم کے متقی و بزرگ وقاری وبوڑھے ومہاجرین موجود تھے۔ مگر پھر بھی حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لا ینبغی لاحد ان یوم القوم و فیهم ابوبکر (رواہ الترمذی)

یعنی جس جماعت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ موجود ہو تو اور کوئی دوسرا شخص امام نہ ہو یعنی ابوبکر ہی امام بنے۔

اب ہر ایک عقلمند یہ خیال کر سکتا ہے کہ قوم میں سے اعلم کو امام بنانے سے کیا مرضی ہے کہ ایک ہی امام کافی ہے اور یہ بات بھی قابل تامل ہے کہ جب نماز کے واسطے جو صرف وقتی اقتداء ہے۔ اعلم وافقہ کی شرط ہے تو دینی معاملات وعقائد وایمانیات وغیرہ میں تو زیادہ تر اعلم وافقہ کی اتباع واجب ہے۔ دیکھو باوجودیکہ اکثر صحابہ کرام علوم وعقائد وفرائض سے واقف اور شرافت وکرامت پر فائز تھے مگر ان کی موجودگی میں پھر بھی ایک صدیق اکبر کو امامت کا حکم دیا اور ماسوائے ان کے اوروں کو منع فرمایا۔ پس اسی طرح تمام علماء کے بالمقابل ایک امام الامہ سراج الائمہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اعلم وافضل و اکمل ہیں۔ پھر ایسے امام العالم کو چھوڑ کر ترجمہ خوان مشکوتی مولویوں یا تفسیر محمدی کے تحصیل یافتوں کے پیچھے لگ جانا کس قدر نالائق ہے۔ بلکہ جو لوگ اماموں کے دشمن، اولیاؤں کے دشمن، اُن کی غلطیاں نکال کر طعن وتشنیع کرتے ہیں ایسے لوگوں سے اگر اتفاقاً سچ بھی نکل جائے تو ہرگز ہرگز باور نہ کریں کیونکہ شاید بظاہر ہی ہو اور فی الاصل غلط اور بدباطن، بدگو، بدبین، بدعقیدہ کا سچ بھی یقینی نہیں (دیکھو مقدمہ شرح مسلم جلد اول صفحہ ۱۲ اور دارمی جلد اوّل صفحہ ۵۹ وغیرہ)

امر نہم: جبکہ امامان دین وحضرات مجتہدین حقائق ودقائق قرآنیہ واسرار ونکات احادیث نبویہ کے مظہر ومبین ہیں تو بدیں لحاظ ان کی تقلید کے واسطے دلیل شرعی ونص قطعی کا طلب کرنا سراسر سفاہت وبلاہت ہے۔ کیونکہ حصول اسرار ومقاصد قرآنیہ وارشادات احمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم تو موقوف ہوا اتباع تحقیق مجتہدین پر اور اتباع مجتہدین موقوف ہوا ادلہ

شرعیہ پر تو اس صورت میں دور لازم آیا اور دور وتسلسل ہے جو ثابت ہو وہ حجت نہیں۔ پھر ہم سے دلیل شرعی تقلید پر کیوں طلب کی جاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ تقلید مجتہدین بھی عقلاً واجب ہے اور ثبوت اس کا مثل ثبوت مسائل ایمانیہ واعتقادیہ کو جو سبحانہ و تعالیٰ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ والحشر والنشر و مثلھم کے ہے۔ پس یہ مسئلہ (تقلید) ثابت ہوا مثل مسائل ایمانیہ واعتقادیہ کے اور نہ لازم ہوا ثبوت اُس کا ادلہ شرعیہ سے بدیں وجہ کہ مسائل شرعیہ کا ثبوت موقوف ہے اتباع آئمہ دین پر اور مسائل کی تحقیق وتصدیق کا دارومدار ہے تقلید وامامان دین پر اور بس۔ ہاں اگر ادلہ ہیں تو صرف مزید تاکید کیلئے نہ یہ کہ موقوف علیہ تقلید قرار دیئے جائیں۔

امر دہم: امامان اربعہ کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کسی بادشاہ کے چار صوبے ہیں اور چاروں ریاستوں کی رعایا پر احکام مختلفہ حسب مناسبت ملک جاری ہیں تو احکام اختلافیہ میں رعایا پر چاروں صوبوں کی اطاعت لازم نہیں اور نہ ان پر کسی قسم کی گرفت ہے کہ تم نے ہر ایک صوبہ کی اطاعت کیوں نہیں کی۔ بلکہ اُسی حاکم وصوبہ کی اطاعت واجب ہے جو اپنی رعایا پر حکمران ہے اور اپنی ملکی حدود کا فرمانروا ہے۔ کیونکہ ہر ملک و ہر اک شہر کے قوانین واحکام جدا اور ہر تحصیل وضلع کے حدود وفرمان جدا ہیں اور ملکی رعایا کے قواعد علیحدہ اور جنگی وفوجی قوانین علیحدہ۔ پس نظر بریں اختلاف ایک حالت ایک حیثیت ایک وقت میں سب حکام کے تابع ہونا نہایت دشوار بلکہ محال ہے۔ ہاں ایک حاکم وقت موجودہ کی اطاعت لازم وآسان ہے اور اس ایک ہی حاکم وقت کی متابعت عین بادشاہ کی اطاعت ہے۔ اسی طرح مذاہب مجتہدین کی تقلید واتباع عین اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

امر یازدہم: جس قدر تمام دنیا کی آبادی اور بلاد وامصار کی تعداد ہے۔ اُن سب میں

سے دو تین بستیاں (مکہ ومدینہ وبیت المقدس) افضل واقدس واعلیٰ ہیں جن میں قرآن نازل ہوا۔ وہیں پر حضور علیہ السلام کا وجود مبارک پیدا ہے اور وہاں پر صحابہ کرام واہل بیت عظام ہوئے۔ وہاں پر ہی زیادہ اہل خیر القرون ہوئے۔ وہیں پر قیامت تک دین رہے گا اور وہیں پر مہدی علیہ السلام پیدا ہونگے وغیرہ وغیرہ۔ تو معلوم ہوا کہ وہاں کے باشندے سچے پکے مسلمان ہیں اور دیندار رہیں گے۔ باوجود اس قدر افضل واعلیٰ ومتدین وصالح و عالم ہونے کے اور زیر سایہ انبیاء کرام علیہم السلام رہنے کے اور بلد امین میں سکونت پذیر ہونے کے سب کے سب مقلد ہی ہیں۔ ایک بھی غیر مقلد نہیں اور خود شخصی تقلید پر عامل اور فتویٰ بھی شخصی تقلید کے وجوب پر اور غیر مقلدوں کو سخت بدتر ومردود جانتے ہیں۔ علاوہ ازیں کل اسلامی دنیا مثل روم وشام ومصر ویمن وبغداد وبلخ وبخارا وافغانستان ونواح ہندو سندھ وکشمیر وپنجاب وغیرہم کے قاضی۔ مفتی وعالم ومدرس واعظ وصوفیاء ومشائخین سب کے سب مقلد ہیں اور غیر مقلدوں کو دشمن دین ومفسد فی الدین جانتے ہیں۔ ایسا ہی مرزائیوں ونیچریوں کو جانتے ہیں۔ پس ان علماء دین وفضلاء کاملین ومفتیان شرع متین کا اجماع قولی وفعلی سے ثابت ہوا کہ اُن کل کے نزدیک ہر قسم کی صلاحیت واحسان اور رشدو ہدایت تقلید میں موجود ہے۔ پس اس اتفاق واجماع کو توڑنے والا ضرور مفسد وگمراہ ہوگا۔ حسب الارشاد لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحہا ط

کیونکہ صدہا احادیث میں وارد ہوا ہے کہ امت محمدیہ ہرگز ہرگز گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔

امر دوازدہم: عقائد اسلامیہ ومسائل ایمانیہ کو قرآن کریم نے اجمالاً بیان کیا جن کی تفسیر حدیث نے خوب فرمائی اور احادیث کی تشریح وتوضیح حضرات صحابہ کرام کے اقوال و افعال سے ملتی ہے اور آثار واقوال واحوال صحابہ کی تصدیق وتصحیح حضرات ائمہ مجتہدین کے اجتہاد وتحقیق پر موقوف ہے اور موقوف علیہ ہمیشہ مقدم ہوتا ہے موقوف پر۔ پھر جب

آئمہ مجتہدین موقوف علیہم ہوئے تصدیق وتحقیق میں تو تقلید مجتہدین واجب ہوئی تا کہ دین[1] کامل ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔ اس بیان کی تفصیل یہ ہے کہ نہ تو حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں کوئی کتاب تصنیف ہوئی، نہ صحابہ کرام کے زمانہ میں کوئی کتاب تیار ہوئی۔ کیونکہ ان کو رات دن جہاد سے فراغت نہ تھی اور نہ چنداں تالیف کی ضرورت ہے۔ باقی آیا دوسرا قرن تابعین کا جس میں حضرت امام العالم امام اعظم کا وجود مبارک پیدا ہوا تو اس وقت اگرچہ ایک آدھی کتاب تھی مگر شہرت واشاعت میں نہ آئی اور نہ وہ کافی تھی۔ پھر حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قوت کاملہ خداداد سے بدلائل شرعیہ استنباط واجتہاد کر کے صاف طور پر مسائل اصولیہ وفروعیہ کو لکھوانا شروع کیا۔ جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تفقہ واجتہاد نے اپنی صداقت وروشنی عام پر ظاہر کی تو دوسرے اماموں نے جو آپ کے ہم عصر یا بعد ازاں ہوئے آپ کی تقلید کی۔ یہاں تک کہ تمام دنیا کے اہل علم نے امام ہمام کے سامنے اپنا سر خم کر کے تسلیم کر لیا۔ بعد ازاں تیسرا قرن آیا تو اس وقت کے حضرت آئمہ نے بھی وہی طرز تحریر امام صاحب کی شروع کی۔ مگر علم فقہ شریف میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا پایہ وہ بلند ہوا کہ حضرت امام الشافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرمانا ہی پڑا ''الناس کلهم عیال ابی حنیفة فی الفقه''۔ یعنی سب لوگ فقہ شریف میں امام ابی حنیفہ کے عیال (شاگرد یا بچے) ہیں اور جب امام صاحب کے شاگردوں نے کتابیں لکھنی شروع کیں تو پھر دیگر آئمہ کی بھی تصنیفات ہوتی گئیں۔ یہاں پر یاد رہے کہ اگرچہ دیگر حضرات نے اپنے اپنے تحقیق وتصدیق کردہ مسائل کی کتابیں تالیف فرمائیں مگر بہ نسبت قرن ثالث کے (جس میں امام شافعی وغیرہ تھے) دوسرا قرن (جس میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ تھے) افضل واقدم واسبق وقابل اتباع ہے۔ کیونکہ حدیث

۱: دیکھو شرح مسلم امام نووی جلد اوّل ص ۵۴۔

شریف کی ترتیب سے قرن ثانی بہتر ہے۔ قرن ثالث سے اور برتر ہے خیریت وفضیلت میں۔ یہی وجہ ہے کہ مقلدین مذاہب اربعہ میں سے ۹۰ فیصدی تو حنفی مقلد ہیں اور باقی دیگر آئمہ کے۔

چنانچہ ملا علی قاری نے خوب بیان کیا ہے پس حسب الارشاد فاستبقوا الخیرات حضرت امام ہمام ابوحنیفہ کا متابعت کا مقام ارفع واعلیٰ ہے بہ نسبت دیگر آئمہ کے۔ کیونکہ آپ افضل واکمل وافقہ واعلم بہ نسبت قرن ثالث کے اور تقریباً کل محدثین و مجتہدین آپ کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ آپ کی تقلید بہ نسبت دیگر آئمہ کے افضل ہے۔

امر سیز دہم: بعد از قرن ثالث وہ زمانہ آیا جس کی نسبت حدیثوں میں بار بار وارد ہوا ہے **ثم یظھر الفساد . ثم یفشوا الکذب** ۔یعنی بعد از تیسرے قرن کے جھوٹ و فتنہ وفساد پھیلے گا۔ چنانچہ اس زمانہ میں بڑے بڑے واضعین حدیث وکاذبین اخبار رو مفتن بین الناس پیدا ہوئے اور خرابی پھیلی اور لطف یہ کہ ایسے موقعہ زمانہ میں دیگر بزرگ جماعت محدثین کے مثل بخاری ومسلم ترمذی وغیرہ بھی پیدا ہوئے۔ یہ حضرات اگرچہ مرتبہ اجتہاد پر فائز نہ تھے اور نہ مجتہد کامل تھے مگر تاہم انہوں نے کمال جانفشانی وعرق ریزی سے بہ نیت صادق وتائید حق وبغرض نصرت دین بہت ہی تحقیق وتفتیش سے کتب احادیث تیار کیں۔ لیکن پھر بھی اس جماعت مذکورہ کی تحقیقات قرن ثالث وثانی کو نہ پہنچیں کیونکہ قرن ثالث قریب زمانہ صحابہ سے اور قرن ثانی اقرب تھا زمانہ نبوت سے بلکہ محققین کے نزدیک تو امام[1] صاحب کی ملاقات صحابہ سے ثابت ہے۔ پس اس بیان مذکورہ بالا سے واضح ہے کہ زیادہ تر بہتر امام صاحب کی تقلید کرنا ہے اگر کوئی اور امام کا

۱: دیکھو انتصار الحق اور معیار الحق از مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری مرحوم ومغفور

مقلد ہے تو اس کو وہی بس ہے۔

امر چہار دہم: اگر کوئی جاہل متعصب حضرات آئمہ اربعہ کی تحقیقات وتصدیقات پر کاربند نہ ہو اور مجتہدین کاملین کا متبع نہ ہو تو لامحالہ کسی نہ کسی اور محدث یا مفسر واہل علم کا متبع ضرور ہوگا۔ پس جبکہ کسی اور اہل علم کا متبع ہوگا تو کیا وجہ ہے کہ امامانِ مجتہدین کاملین (جو احق بالاتباع ہیں) کی تقلید نہیں کرتا۔ حالانکہ از روئے قرآن وحدیث کے بعد از کتاب و سنت مجتہد کا مرتبہ اور مجتہد سب سے افضل ہے۔ محدث تو صرف ناقل وسامع ہوتا ہے اور مجتہد کو تو استنباط وقوت تفقہ حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجتہد باوجود مخطی ہونے کے بھی ایک نیکی کا مستحق اور بحالت صواب دو اجر سے ماجور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آئمہ اربعہ مجتہدین کی تقلید پر اجماع ہوا نہ کسی عام محدث کی تقلید پر۔ کیونکہ مجتہد جامع ہے مسائل اصولیہ واعتقادیہ وفروعیہ واجتہادیہ کا بخلاف محدث کہ وہ صرف جامع الفاظ ہے۔

امر پانزدہم: مسائل اسلامیہ تین قسم پر ہیں۔ اوّل نصی، دوم اجماعی، سوم اجتہادی۔ مسائل نصی تو عند الکل مسلّم ہیں اور مسائل اجماعی بھی بالاجماع واجب الاتباع والقبول ہیں۔ باقی رہے مسائل اجتہادیہ سو وہ مختلف فیہ ہیں۔ اب انسان کے واسطے ایسے موقع پر تین حالتیں ہیں۔

(۱) یا تو وہ اگر مجتہد مسلّم ہے تو قوت اجتہادیہ وتفقہ سے کام لے کر خود ہی فیصلہ کرے گا۔

(۲) یا وہ مجتہدین میں سے کسی ایک کی تقلید کرے گا۔

(۳) یا کبھی ایک مذہب پر عمل کرکے اُس کو ترک کرے گا۔ پھر دوسرے مذہب کو پکڑے گا پھر اس کو چھوڑ کر تیسرے کو پکڑے گا۔ علیٰ ہذا آزاد ہو جائے گا۔

حالانکہ خدا فرماتا ہے:

ایحسب الانسان ان یترک سدی (پارہ۲۹،سورۃ القیمۃ،آیت۳۶)

یعنی کیا انسان آزاد شتر بے مہار بننا چاہتا ہے۔

اب اس تیسری صورت کا نتیجہ نہایت ہی گندہ و بدبودار اور مبداء فساد ہے کیونکہ کبھی ایک چیز کو حلال سمجھ کر کھائے گا پھر اُسی کو حرام جان کر ترک کرے گا۔یا جس کو پہلے حرام سمجھ کر ترک کرے گا پھر بوقت حلال جاننے کے اُس کی حرمت کا بھی دل میں شک و شبہ رہے گا اور جس کو پیچھے حرام جانے گا اُس کے حلال ہونے کا بھی دل میں خیال پیدا ہوگا۔یہ اجتماع نقیضین ہے جو کہ بالاتفاق باطل ہے۔مثلاً کبھی تو ایک مذہب کے موافق امام کے پیچھے قرأۃ فرض واجب سمجھے پھر بمذہب حق اسی کو مکروہ ومفسد فی الصلوٰۃ خیال کر کے ترک کرے یا کبھی ایک مذہب کے موافق رفع الیدین فی الصلوٰۃ و وضع الیدین علی الصدر و آمین بالجہر کو سنت سمجھ کر عمل کرے گا پھر بخیال ثانی ان سب کو مکروہ و خلاف سنت سمجھے گا یا کبھی ایک امام کے مطابق نکسیر و فصد و خون جاری سے مفسد الصلوٰۃ و ناقض الوضوء خیال کرے گا پھر اُس کو بخیال دیگر امام بجوز بہ الصلوٰۃ خیال کرے گا۔

ف:حنفی مذہب میں خون جاری سے (خواہ نکسیر ہو خواہ فصد یا چوٹ وغیرہ) وضو ٹوٹ جاتا ہے اور بے وضو ہو جاتا ہے۔بے وضو نماز پڑے تو خوف کفر لکھا ہے۔

یا کبھی ایک امام کے موافق وہ پانی قلتین (جس میں کتا،بلا،سور وغیرہ مر گیا ہو) پاک خیال کر کے اُس سے وضو غسل کر کے نماز پڑھے گا اور کبھی اُسی پانی سے غسل کرنا حرام سمجھے گا۔

ف:اسی پانی سے جب امام وضو،غسل کر کے نماز پڑھائے تو حنفی کی نماز اُس کے پیچھے[1] ناجائز ہے۔یا کبھی ایک جانور مانند گوہ و مینڈک وغیرہ کو ایک مذہب میں حلال سمجھ کر

[1]: دیکھو ہمارا رسالہ رحمۃ الرحمٰن فی تقلید النعمان ۱۲

کھائے پھر حنفی مذہب اقدس کے موافق ان کو مکروہ یا حرام جانے گا۔

غرض کہ تقلید کے ترک کرنے سے صدہا ہزار ہا درجہ کا فتنہ و فساد پڑتا ہے۔اسی واسطے خاص سلطنت انگریزی میں جس قدر لامذہبوں،ملحدوں،زندیقوں،عیسائیوں کی ترقی ہے اس قدر اور کہیں نہیں۔اور آج جس قدر دہریہ ملحد نیچری مرزائی نظر آتے ہیں اُن سب کا صرف یہی ایک باعث ہوا۔یعنی ترک تقلید شخصی۔اور قاعدہ مقررہ ہے کہ جب تک انسان کسی مذہب کا پابند نہیں ہوتا بے شک شیطان اُس کو نہیں چھوڑتا کیونکہ جماعت پر یدُ اللہ ہے۔چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اکابر محدثین مثل بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ سب مقلد تھے۔(دیکھو رسالہ انصاف شاہ ولی اللہؒ)

امر شانزدہم:عامی کی مثال ایک مریض کی ہے اور مجتہد کی مثال مانند ایک سول سرجن یا بڑے افلاطون کے ہے اور محدثین کی مثال ایک بڑے دوائی خانہ یا عطار کی ہے۔تو عامی مریض کو دیکھنا،تشخیص کرنا،علاج و معالجہ کی تجویز بنانا اور ممنوعات سے پرہیز و اشیاء مفیدہ کی اجازت اور ہر اک چیز و حرکت کا اندازہ وغیرہ۔یہ سب مجتہد و مرشد کا کام ہے اور دوائی خانہ سے دوا دینا حسب الحکم ڈاکٹر یہ محدث کا کام ہے۔

ڈاکٹر و حکیم کے حکم کے موافق پابند ہو کر علاج کرانا یہ عامی مریض کا کام ہے۔

پس جب یہ ذہن نشین ہو گیا تو یہ بھی قانون مستمرہ ہے کہ جس مریض کے چار معالج مثلاً: ایک ڈاکٹر یورپین ایک حکیم یونانی ایک وید کدیسی ایک سنیاسی۔تو بوقت علاج معالجہ ضرور اُن کا باہمی اختلاف ہوگا۔خواہ بلحاظ تشخیص و تجربہ خواہ بلحاظ دوا و خوراک کیونکہ ہر ایک کے معلومات و تجربات جدا اور ہر ایک کی تحقیق و ذہانت طبعی علیحدہ ہے پس ایسے موقعہ پر مریض نے اگر ایک ہی شخص کا علاج کیا تو بہتر ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔اسی طرح جو شخص بوقت اختلاف مجتہدین ایک کا مقلد رہے گا تو نجات پائے گا۔اگر ایک کا نہ رہا بلکہ سب کا

مقلد بن گیا یا از خود نیا طریقہ ایجاد کیا تو پھر ایمان کا ملنا مشکل آخر مرزائی[1] یا نیچری وغیرہ ہو کر مرے گا۔

امر ہفدہم: بعد از اقرار توحید و رسالت ایماندار کو الحاق بالصالحین و اتحاد بالابرار واجب ہے چنانچہ آیت توفنی مسلما و الحقنی بالصالحین ط (پارہ ۱۳، سورۃ یوسف، آیت ۱۰۱) و توفنا مع الابرار ط (پارہ ۴، سورۃ آل عمران آیت ۱۹۳) اس پر شاہد ہے۔ اب اس الحاق کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک تو تقلید مجتہدین، دوسرا بیعت مشائخین، چنانچہ تفسیر عزیزی میں بذیل آیہ و لا تجعلوا للہ اندادا لکھا ہے "اطاعت مجتہدین و مشائخین فرض است"۔ یہی وجہ ہے کہ کل اولیاء اللہ مقلد و باپیر تھے۔ کوئی ولی بے پیر و غیر مقلد نہ تھا نہ اب کوئی ایسا ہے پس ثابت ہوا کہ الحاق بالصلحاء سے انسان پختہ مومن بن جاتا ہے۔ لہذا سب کو لازم ہے کہ بیعت مشائخین کر کے روح و قلب و نفس کی اصلاح کرے اور تقلید مجتہدین کر کے مسائل شرعیہ کو صحیح طور پر سمجھ کر اپنے اعمال و افعال ظاہری کو درست و آراستہ کرے۔ ہاں جو شخص مجتہدین میں سے افضل و اعلم و افقہ ہو (جیسے امام اعظم) اُس کی تقلید بہت بہتر و آسان ہے اور جو شخص مشائخین میں سے اکمل و اعلیٰ و اقرب الی اللہ ہو ان کی بیعت زیادہ تر مفید و اسہل و انفع ہے۔ الحمد للہ علی احسانہ کہ اس احقر الانام راقم الحروف کو دونوں نعمتیں مذکورہ حاصل ہیں۔ اللھم حرق قلبی بنار عشقک ابدا یا اللہ بحرمتھم۔

امر ہشتدہم: یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس طرح اسلام مقدس عبارت ہے اُن امور و احکام و ارشادات سے جن کو امت نے (اعنی فقہاء و مجتہدین و صلحاء کاملین و

[1]: مرزا ایک شخص دشمن اسلام پنجاب میں تھا۔ اپنے آپ کو نبی و رسول و مسیح و مہدی و مجدد و امام حسین و غوث اعظم سب سے بہتر جانتا تھا۔ آخر بے چارہ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ کو نہایت بُری موت۔

صادقین نے) بعد از تحقیق و تنقیح و تمحیص و تصدیق کے ثابت کیا ہے۔ یعنی بعض احکام و امورات اور بعض افعال و اقوال کو منسوخہ و موقوفہ و متروکہ و موضوعہ و ضعیفہ قرار دے کر اصلی احکام و ارشادات کو ثابت کر کے اسلام کو بے داغ و الزامات سے بری کر کے صحیح دکھایا ہے تا کہ مخالفین اسلام کے شکوک و شبہات رفع ہو جائیں۔ پس اب جو کوئی دشمن اسلام بعض امورات متروکہ و ضعیفہ کو دیکھ کر کہے کہ اسلام عیب دار یا غلط ہے تو وہ مردود و قول اُس کا مردود ہے۔ اسی طرح مذہب حنفی مقدس بھی عبارت ہے مسائل مفتی بہ و معمولات علماء امت سے جو کہ بعد از جرح و تعدیل اور بعد از تصحیح و تکمیل و توضیح و تفصیل منقح و مرجح اور محقق و مصدق ہو چکے ہیں۔ اسی کا نام مذہب حنفی ہے۔ جس قدر اقوال صاحبین کے ہیں وہ فی ذاتہ اُن کے نہیں بلکہ وہ بھی حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ہی اقوال ہیں۔ (دیکھو ص ۴۷ بذیل جواب اُتر کو اقولی) پس اب جو کوئی شخص دشمن امام العالم کی ضعیف روایت یا مرجوع و منسوخ قول کو دیکھ کر کہے کہ مذہب اقدس حنفی غلط ہے تو وہ بھی مردود اور اُس کے اقوال و اعمال بھی مردود۔ (نعوذ باللہ منہ)

امر نوزدہم: قرآن کریم نے سکھایا ہے کہ جب کسی نیک بندہ عالم باعمل کی خدمت میں بغرض حصول علم حق اطاعت اختیار کی جائے تو اس کا مقلد بن کر یا مرید بن کر اس پر اعتراض نہ کریں۔ کیونکہ مقلد یا مرید بن کر اگر معترض ہوگا تو نتیجہ اُس کا حرمان و بعد ہوگا اور مقاصد اصلی و خزائن الٰہی سے محروم رہے گا۔ ع ...... "بے ادب محروم گشت از لطف رب"

جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سنا کہ ایک بندہ خدا کا ایسا ہے جس کو خدا نے علم لدنی عطا فرمایا ہے تو ان کے ملنے کے واسطے سفر طویل اختیار کیا۔ جب خضر علیہ السلام سے ملاقی ہوئے تو حضرت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی:

هل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا (پ ۱۵، الکہف آیت ۶۶)

یعنی کیا میں تابع ہو جاؤں آپ کا اس پر کہ مجھے وہ علم عنایت کرو جو آپ کو تعلیم کیا گیا ہے از قسم ارشادات وہدایت کے۔

خضر علیہ السلام نے جواب دیا:

انک لن تستطیع معی صبرا (پ۱۵، الکھف، آیت ۶۷)

یعنی اے موسیٰ آپ میں میرے ساتھ رہ کر متابعت کرنے کی طاقت نہیں کیونکہ تقلید تو بڑی بہادری وہمت کا کام تھا۔ لہذا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی طرف سے تو بہادری کا ثبوت دے کر تقلید کا اقرار یوں کیا:

ستجدنی انشاء اللہ صابرا ولا اعصی لک امرا (پ۱۵، الکھف، آیت ۶۹)

یعنی خدا چاہے تو میں آپ کے اقوال وافعال پر صبر کر کے بالسوال کسی بات میں نافرمانی نہ کروں گا۔ یعنی پکا مقلد[1] بنوں گا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے پھر دوبارہ یہ شرط کرائی جو ہر ایک مقلد کے واسطے ضروری ہے یعنی

فان اتبعتنی فلا تسئلنی عن شی حتی احدث لک منہ ذکرا

(پارہ ۱۵، الکھف، آیت ۷۵)

یعنی اے موسیٰ اگر تم میری تابعداری کرنا چاہتے ہو تو میرے کسی کام پر سوال و اعتراض نہ کرنا جب تک خود میں بیان نہ کروں۔

یہ شرط اس لئے کرائی گئی کہ اکثر قاعدہ ہے کہ جس چیز کا علم نہ ہو اس پر آدمی گھبرا جاتا ہے اور جھٹ اعتراض ومخالفت پر کھڑا ہو کر تقلید سے باہر ہو جاتا ہے اور یہ سخت مضر و نقصان دہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس شرط پر موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کے ساتھ سفر

[1]: یہی معنی تقلید کے ہیں کیونکہ اتباع بلا دلیل بلا روک ٹوک بلا تحقیق وتفتیش کا نام تقلید ہے اور یہی شرط حضرت خضر علیہ السلام نے فرما کر وعدہ لے لیا۔

اختیار کیا۔ آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام معترض ہوئے اور خضر علیہ السلام نے ان کو ان امور کی حقیقت بیان کر کے فرمایا جو کام میں نے کئے وہ بحکم خدا تھے۔ میرا ذاتی کام نہ تھا اور میری تمہاری جدائی وعلیحدگی کا باعث صرف یہی اعتراضات ہوئے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی قدر دانا و دور اندیش اور رسول اعظم تھے کہ پہلے ہی لفظ انشاء اللہ کہہ کر وعدہ خلافی کے وعید سے بچ کر چلے گئے۔ ماسوائے اس کے وہ مرسل وصاحب کتاب و کلیم اللہ تھے اور خضر علیہ السلام کی نبوت میں بھی اختلاف ہے۔ لہذا وہ مورد عتاب نہ ہوئے کیونکہ جبکہ مجتہد کو اختیار ہے کہ کسی اور مجتہد کی تقلید کرنے یا نہ کرنے کا تو مرسل کو بطریق اولیٰ اختیار ہے۔ لیکن پھر بھی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا رحم کرے موسیٰ علیہ السلام پر کہ اگر سکوت وخاموشی اختیار کرتا تو بہت سے عجائبات الٰہی معائنہ کرتا اب اسی قصہ سے کئی امور پیدا ہوئے۔

(۱) جس شخص کو اپنا امام یا پیر بنائے تو اس کی پوری متابعت کرے۔

(۲) اس کے کام پر اعتراض نہ کرے اگر ضرورت پڑے تو مؤدبانہ مخلصانہ طریق سے عرض داشت کر کے جیسا جواب ملے سن کر چپ ہو رہے اگر نہ سمجھے تو اپنا قصور فہم سمجھے۔

(۳) اس قسم کے اتباع میں صدہا فوائد ہیں جو اور کسی طریق سے حاصل نہیں ہوتے

(۴) جب کسی کو اپنا امام یا شیخ سمجھے تو اس کی مخالفت و مقابلہ کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ اس بزرگ کی برکات اور فیوض وامداد سے محروم رہ جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک

(۵) جبکہ نبی اقرب مرسل اعظم موسیٰ علیہ السلام سے یہ شرط کرائی گئی تھی کہ مجھ سے میرے کاموں کے متعلق اعتراضاً سوال نہ کر کہ یہ کام چون اور چرا ہے۔ پھر عوام جہلا یا تفسیر محمدی کے تحصیل یافتوں کو کب جائز ہے کہ امام حق کی تقلید کر

کے پھران کے فیصلہ جات و معاملات پر باغیانہ اعتراض کریں۔

(۶) جیسا نبی اور اُمتی کا مقابلہ و مباحثہ جائز نہیں ویسا ہی مقلد و مجتہد یا طالب و شیخ کا مقابلہ جائز نہیں۔ یہی طریق حضرات علماء صادقین و صوفیاء صالحین کا برابر چلا آتا ہے۔ چنانچہ عوارف شریف اور مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ملاحظہ سے پتہ چلتا ہے۔

امر بستم: خدا نے اس دین کا نام اسلام رکھا ہے۔ اسلام کے معنی گرویدہ شدن و باور کردن و قبول و تسلیم نمودن۔ اور اسلام نے جو امورات ارشاد فرمائے ہیں ان میں بھی یہی تسلیم و قبول کی خوش بو پائی جاتی ہے۔ مثلاً اولاد اپنے والدین کی پابند، رعایا اپنے بادشاہ کے حکم پر پابند، عورت اپنے خاوند کی پابند، مقتدی اپنے امام کے پابند، قافلہ اپنے رہبر و رہنما کا پابند، جاہل اپنے عالم کا پابند، غلام اپنے مولا کا پابند، غیر مجتہد اپنے مجتہد کا پابند، فوج اپنے سردار کے پابند، مریض اپنے حکیم کے پابند، وغیرہ۔ پس ثابت ہوا کہ اسلام پابندی سکھاتا ہے نہ آزادی، انگریز جب اول ہندوستان میں آئے تو دیکھا کہ مسلمان اپنے احکام و امورات مذہبی کے سخت پابند ہیں تو ان کو آزادی پر قائم کرنا چاہیے اور خوب عمدگی سے آزادی دے دی اور غیر مقلد بنانا شروع کیا اور سب سے زیادہ اس میں علی گڑھی نیچری نے حصہ لے کر بہت اہل ایمان کو برباد کیا۔ یہاں تک نوبت نیچریوں کی آئی کہ نبی برحق کی تقلید کو ترک کر کے آزاد ہو گئے جیسے کہ عیسائی فرقہ نے اپنا اصلی دین و مذہب (جو حضرت مسیح علیہ السلام چھوڑ گئے تھے) ترک کر کے نیا مذہب از خود ایجاد کر کے اس کا نام دین مسیحی رکھا ہے۔ اسی طرح نیچریوں نے بھی نیا دین تیار کر کے اصلی دین کو نہ صرف چھوڑا بلکہ اصلی اسلام کو نفرت سے دیکھتے ہیں۔ مولوی [1] اسماعیل

---

[1] یہاں تک کہ دیوبندی و گنگوہی جو برائے نام حنفی ہیں وہ بھی ایسے لوگوں کے دام میں آ کر نہ اُدھر کے ہوئے نہ اِدھر کے۔

اسماعیل دہلوی مصنف تقویۃ الایمان و مولوی نذیر حسین دہلوی کو تو بہانہ کافی تھا انہوں نے اور بھی متانت سے خلق اللہ کو گمراہ کر کے غیر مقلد بنایا۔ یہ فرقہ اس حد تک بڑھ گیا کہ اب حدیثوں کو مسخری کرتے ہیں۔ اس کا دوسرا نام اب چکڑالوی بھی رکھا جاتا ہے۔ پناہ بخدا۔ ایک لطیفہ بھی قابل ذکر ہے کہ کسی غیر مقلد کو کسی نے کہا کہ بالفرض اگر تمام انبیاء حضور علیہ السلام کے وقت موجود ہوتے تو' تو اُس وقت کیا کرتا۔ کیونکہ اُس وقت تو صرف ایک حضور علیہ السلام کی ہی تقلید کافی تھی تو جواب دیا کہ میں تو نبی کی تقلید کو بھی بُرا سمجھتا ہوں۔ (نعوذ باللہ من ذالک) اب دیکھیے کہ غیر مقلدوں کی حالت کہاں پہنچی ہے۔ خدا سب کو امامانِ دین کا پکا پکا مقلد بنائے۔ (آمین)

اے ناظرین! یہ ۲۰ بست امور جو بطور مقدمہ عرض کیے گئے ہیں۔ ان کو اچھی طرح بار بار پڑھ کر ذہن نشین کر کے اصل مسئلہ پر غور کرو۔

==================

اصل مقصود

اگرچہ بیانات مذکورہ تقلید کے متعلق کسی ذی فہم و نیک نیت پاک طینت کو شک و شبہہ نہ ہوگا مگر چونکہ بعض سادہ لوحوں کو غیر مقلد صرف ترجمہ بعض آیات کا دکھا کر بتاتے ہیں کہ دیکھو اس میں تقلید کا رد ہے اور تمہارے پاس وجوب تقلید کی کوئی دلیل شرعی نہیں۔ اگر ہے تو دکھاؤ لہذا چند ادلہ لکھی جاتی ہیں۔

تقلید کے وجوب پر پہلی دلیل

قال اللہ تعالیٰ:

یوم ندعوا کل اناس بامامھم (پ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۷۱)

یعنی جس دن پکاریں گے ہر اک شخص کو اُس کے امام کے ساتھ
تفسیر بیضاوی میں ہے:

ای بمن ائتموا به من نبی او مقدم فی الدین

اور یہی عبارت ہے، مدارک شریف میں۔ یعنی امام خواہ نبی ہو یا مقتدائے دین و مطاع حق تفسیر معالم میں ہے:

عن سعید ابن جبیر عن ابن عباس قال با مام زمانهم الذی دعا هم الی ضلالة اوهدیً و عن سعید ابن المسیب کل قوم یجتمعون الی رئیسهم فی الخیر و الشر۔

تفسیر حسینی میں ہے:

یا مقدمیکه در مذہب او متابعت او نمود باشند۔ چنانچہ ندا زند یا شافعی۔ یا حنفی۔ و دریں باب از علی مرتضی نقل میکنند کہ دراں روز ہر قومی را نجوانند باامام زمان ایشاں

یعنی ہر اک انسان کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ یہی مضمون ہے تفسیر کبیر اور نیشاپوری اور ابوالسعود وغیرہ میں۔

اور دقائق الاخبار عربی صفحہ ۲۶ مطبوعہ مصر ۲۳۰۶ھ میں ایک حدیث یوں ہے:

اذ کان یوم القیمة ینصب لواء الصدق لابی بکرن الصدیق رضی الله عنه و کل صدیق یکون تحت لوائه ولواء الشهادة لعلی و کل شهیدتحت لوائه ولواء القرة لابی ابن کعب و کل قاریٔ کون تحت لوائه . الخ۔

یعنی قیامت کے روز ہر اک وصف کے لوگوں کا ایک ایک امام ہوگا اور اس کے ہاتھ اسی صفت کا ایک ایک جھنڈ ہوگا۔ صدیق اکبر کے ہاتھ صدق کا جھنڈا۔ حضرت علی کے ہاتھ شہادت کا جھنڈا اور قرأۃ کا جھنڈا حضرت ابی ابن کعب کے ہاتھ ہوگا۔ علی ہذا

اور بھی دوسرے خلفاء وصحابہ کرام کا ذکر ہے۔ پس جبکہ ثابت ہوا کہ ہر اک شخص اپنے اپنے امام کے ساتھ بلایا جائے گا تو ہر اک انسان پر لازم ہے کہ کسی ایسے شخص کو نائب و امام مقرر کرے کہ جس سے تمام ضروریات دینی و برکات و فیوضات اسلام حاصل ہوں جیسا کہ آئمہ مجتہدین وصوفیاء مشائخین ہیں۔ ان کے ملنے ملانے سے انشاءاللہ قیامت کو ہر نہج سے نجات ہوگی۔

باقی رہا یہ کہ آیۃ میں امام سے مراد محدثین ومفسرین نے کئی افراد لئے ہیں۔ جیسا کہ نبی و کتاب و اعمال نامہ وملل و امہات اور ہر اک نے اپنی اپنی جگہ حدیثیں و اقوال پیش کئے ہیں۔ تو موضع احتمال پر استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ سو جواباً عرض ہے کہ جب یہ احتمالات ہیں تو آپ صاحبان اس آیت کو کس طرح استدلال میں لائیں گے۔ کیونکہ جتنے احتمال ہیں اُن سے اگر مدعی ہوں تو آخر کیا آیت بیکار چھوڑی جائے گی۔ ہر گز نہیں بلکہ جو احتمالات ممکن الوقوع ہیں ان کا لینا جائز ہے ورنہ اعتراض سے تو خالی کوئی نہ رہے گا۔ مثلاً کُلُّ اُنَاسٍ میں انبیاء بھی ہیں وہ کس کے نام سے بلائے جائیں گے۔ اُمہات کی نسبت عرض ہے کہ جن کی ماں نہیں جیسا کہ آدم وحوا وغیرہ وہ کس کے نام سے پکارے جائیں گے۔ یا جو لوگ اہل کتاب بھی نہیں اور وہاں پر نبی بھی نہیں آیا یا وہ قوم کسی دین پر نہ گزری بلکہ قبل از ابلاغ و بلوغت مر گئے تو ان کا کیا حال ہے پس جس طرح وہ سب احتمالات باوجود مختلف ہونے کے درست ہیں تو اس طرح یہ بھی ممکن الوقوع ہیں۔ چنانچہ امام ابو یوسف وغیرہ کا قول بھی اس پر شاہد ہے۔

حسبی من الخیرات ما اعددتہ — یوم القیمۃ فی رضی الرحمان
دین النبی محمد خیر الوریٰ — ثم اعتقادی مذہب النعمان

یعنی قیامت کے دن خدا کے خوش کرنے کیلئے مجھے دو چیزیں کافی ہیں۔ ایک تو

دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم دوسرا مذہب حنفی کا عقیدہ۔ (درمختار وغیرہ)

اور دیکھئے حضرت امام شعرانی مالکی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب میزان میں فرماتے ہیں:

ولما مات شيخنا الاسلام الشيخ ناصر الدين القانی رحمة الله عليه راه بعض الصالحين فی الملكان فقال له ما فعل الله بک فقال لما اجلسنی للكان ليسئلان واتاهم الامام المالک فقال مثل هذا يحتاج الی سوال فی ايمانه بالله ورسوله تنحياعنه فتنحيا عنی ۔الخ۔

یعنی شیخ الاسلام میرے شیخ ناصر الدین نے جس وقت وفات پائی تو بعض اولیاء اللہ نے ان کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ خدا نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ آپ نے جواب دیا کہ جس وقت منکر نکیر آئے اور مجھ سے سوال کیا ایمان کا تو ناگاہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا کہ تعجب ہے ایسے شخص سے بھی ایمان کا سوال کیا جاتا ہے۔ کیا ایسے شخص کو بھی اس سوال کی ضرورت ہے۔ چلے جاؤ۔ پس وہ دونوں چلے گئے۔

یہی امام شعرانی اور ایک دو مقام پر فرماتے ہیں:

ان الصوفية والفقهاء كلهم يشفعون فی مقلديهم ويلاحظون احدهم عند طلوع روحه و عند سوال منكر و نكير له وعند الحشر والنشر والحساب والصراط ولا يغفلون عنهم فی موقف من المواقف ۔الخ۔

واذ كان مشائخ الصوفية يلاحظون اتباعهم و مريديهم فی جميع الاحوال والشدائد فی الدينا والاخرة فكيف بائمة المجتهدين وهم ائمة المذاهب الذين هم اوتاد الارض و اركان الدين وامناء الشارع علی امته فطب نفسا يا اخی و قرعينا بتقليد كل امام ما شئت منهم ۔الخ۔

یعنی جبکہ حضرات صوفیاء کرام اپنے مریدوں اور طالبوں کی شفاعت کرتے ہیں اور ان کے نگہبان ہیں اور مرنے کے وقت، قبر میں سوال کے وقت، قیامت میں حساب و کتاب و پل صراط کے وقت اپنے خادموں کی امداد وافاضہ کریں گے۔ تو حضرات مجتہدین تو ارکان دین اور امین امت اور دین کے امام ہیں۔ وہ تو بطریق ایسے کام کریں گے۔

مقلدوں کے حق میں پھر یہی امام شعرانی میزان میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:

ويا خذوا الائمة المجتهدين بيديهم فی اهوال القيمة فكل مجتهد راه هناک يتبسم وجهه ويا خذ بيده بخلاف من كان بالضد من ذالک فانه ربما ينظر الائمة اليه نظر الغضب لسوء ادبه معهم و تعصبه عليهم بغير حق ۔ یعنی امامان دین ومجتہدین اپنے اپنے مقلدوں پر راضی ہو کہ اُن کو دوزخ سے خلاصی دلوائیں گے اور منکر وغیر مقلد پر بوجہ بے ادبی کے غضب پڑے گا۔ علی ہذا قیاس کئی بزرگان دین نے ایسا ہی مضمون بیان کیا ہے۔ غرض کہ لازم ہے کہ مقلد رہے۔

سوال: آیت مذکورہ میں تو یہ حکم نہیں کہ اماموں کی تقلید فرض ہے بلکہ یہ ایک خبر ہے اس سے وجوب کہاں ثابت ہے؟

الجواب: گو یہ خبر ہے مگر خبر سے مراد یا امر ہے یا نہیں۔ کیونکہ اخبار امم سابقہ واحوال انبیاء ومرسلین علیہم السلام سے مقصود کیا ہے۔ یہی تو غرض ہوتی ہے کہ لوگ صالحین مومنین کے حالات پڑھ کر احکام معروفہ وامورات حسنہ پر مضبوط وشائق ہوں اور کفار وملحدین و مفسدین کے حالات سن کر منہیات ومعاصی سے باز رہیں۔ اسی طرح یہاں بھی یہی مطلب ہے کہ قیامت کو ہر اک شخص اپنے اپنے امام کے ساتھ ہوگا تو اس امر سے اطلاع دی گئی کہ کل قیامت کو یہ نہ کہنا پڑے لو ان لنا كرة فنتبرا ء منهم كما تبرا و امنا (پارہ ۲، سورۃ بقرہ، آیت ۱۶۷) اور یالیتنی لم اتخذ فلانا

خلیلا. (پارہ ۱۹، سورۃ فرقان آیت ۲۸) اس لئے آج ہی سوچ کر ایسے شخص کے مقلد بنو کہ خدا اور رسول علیہ السلام کے نزدیک مقبول ومحبوب ہو جیسا کہ امامانِ دین مجتہدین اور مشائخین صادقین۔ اگر کہیں کسی وہابی یا نیچری یا مرزائی کو اپنا گرو بنا لیا تو بس دوزخ میں تم کو عام سکونت حاصل ہے۔ جس دوزخ میں چاہو رہ سکتے ہو۔ تو یہ خبر بمعنی امر اور نہی ہر دو افراد پر دال ہوئے اور حدیث نے بھی دین کے اخذ کرنے کے واسطے سخت احتیاط و اتقا کی تاکید فرمائی ہے۔ یعنی دین ایسے شخص سے حاصل کرو جو علماً و عملاً ظاہراً و باطناً دین کا امام ہو۔

حدیث: عن ابن سیرین قال ان ھذا العلم دین فانظر واعمن تاخذون دینکم. (مسلم ص ۱/۱۱)

یعنی یہ علم حق ہی دین ہے جس سے حاصل کرتے ہو تو پہلے اس شخص کو دیکھ لو جس سے حاصل کرو گے۔ اس قسم کی صدہا حدیثیں کتب حدیث میں ہیں چنانچہ دارمی شریف "باب الاجتناب عن اہل الھوا"۔ میں بھی کئی صحیح حدیثیں موجود ہیں تو اس میں بقول اہل عقل الکنایۃ ابلغ من التصریح ایک اشارہ و ترغیب ہے اس بات کی طرف کہ امام ایسا شخص بنایا جائے تو متقی و جامع علوم ظاہری و باطنی و راجع الی اللہ ہو جیسا کہ فرمایا خدا تعالیٰ نے واتبع سبیل من[1] اناب الی. یعنی متابعت کر اس کی جو خدا کی طرف راجع ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ جب کسی متقی کو امام بنایا جائے تو اس کی متابعت مقصود ہے نہ محض لغو اور لہو ولعب۔ چنانچہ حدیث میں ہی انما جعل الامام لیؤتم به (بخاری) یعنی امام تو متابعت کے واسطے مقرر کیا گیا ہے۔ پس مقلدین آئمہ اربعہ قیامت کے روز خدا چاہے صاف نجات پائیں گے اور غیر مقلدین روئیں گے۔

---

[1]: حرف من لفظاً عام ہے اور معناً خاص ہے یعنی ایک شخص مراد ہے نہ دو چار۔

دوسری دلیل تقلید پر

قولہ تعالیٰ یایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ۔ (پارہ ۵، سورۃ نساء، آیت ۵۹)

اس آیت میں ایمانداروں پر تین قسم کی تابعداری فرض کی گئی۔ (۱) خدا کی۔ (۲) رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی (۳) اولی الامر یعنی صاحبان حکم کی۔ اس آیت میں اولی الامر ہی کافی تھے مگر لفظ منکم سے تصریح ہوگئی چنانچہ قرآن نے خود اس آیت کی تفسیر یوں فرمائی ہے:

لعلمه الذین یستنبطونه منھم (پارہ ۵، سورۃ نساء، آیت ۸۳)

یعنی اولی الامر مجتہدین و مستنبطین ہیں اور ہر اک مستنبط بھی نہیں بلکہ لفظ منھم سے تبعیض و تخصیص ثابت ہوئی۔ مفسرین نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

(۱) سنن دارمی شریف میں روایت ہے:

اخبرنا یعلی حدثنا عبدالملک عن عطاء قال اولی الامر ای اولی العلم والفقه یعنی مراد اولی الامر سے فقہا ہیں۔

(۲) تفسیر اتقان میں امام سیوطی لکھتے ہیں:

عن ابی طلحة عن ابن عباس قال اولی الامر اھل الفقه والدین یعنی فقہاء مجتہدین اولی الامر ہیں۔

(۳) اخرج ابن جریر والمنذر و ابن ابی حاتم والحاکم عن ابن عباس و عن مجاھد ھم اھل الفقه والدین ۔

یعنی اولی الامر حضرات فقہاء ہیں۔

(۴) تفسیر کبیر جلد ثالث صفحہ ۳۵۷ میں بھی یہی مضمون ہے۔

(۵) شرح مسلم امام نووی جلد ثانی صفحہ ۱۲۴ میں بھی ہے۔

(۶) تفسیر معالم ونیشاپوری میں بھی یہی ہے۔

خلاصہ یہ کہ صحابہ وتابعین نے اولی الامر سے مجتہدین کی اطاعت فرض و واجب ٹھہرائی ہے اور جاہل وہابیوں کا یہ کہنا کہ سوائے خدا اور رسول علیہ السلام کے اور کی تابعداری شرک وبدعت ہے کس قدر دروغ بے فروغ ہے۔

سوال: اولی الامر سے مراد حکام وقت ہیں نہ کہ مجتہدین۔

الجواب: حکام دو قسم ہیں۔(۱) کفار ومشرکین۔(۲) مسلمانان صادقین۔ تو قسم اول کی شان میں صاف وارد ہے۔

ومن لم یحکم بما انزل الله فاؤلئک هم الظلمون (پارہ ۶، سورة المائدہ آیت ۴۵) هم الکافرون (آیت ۴۴)، هم الفاسقون۔ (آیت ۴۷)

یعنی وہ حاکم کافر وظالم وفاسق ہیں اور باقی رہا قسم ثانی۔ سو وہ بھی دو قسم پر ہیں۔(۱) اہل علم صادقین مومنین (۲) جہلاء وفاسق فاجر۔

سو اگر قسم اول یعنی علماء صادقین ہیں تو بے شک ہم بھی کہتے ہیں کہ علماء مجتہدین ہیں اور اگر مراد تمہاری قسم ثانی ہے کہ فاسقوں وفاجروں کی متابعت تمہارے نزدیک فرض ہوگی۔ واقعی تمہارے امام ایسے ہی مناسب ہیں۔ افسوس کہ غیر مقلدوں کو علم سے محرومی تو تھی عقل سے بھی یہ بے چارے معطل کئے گئے ہیں۔ آج تک ان کو اولی الامر کے معنی بھی نہیں آئے۔ وجہ کیا یہ لوگ نجات المومنین پڑھ کر فاضلوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اگر بدقسمتی سے تفسیر محمدی یا ثنائی پڑھی تو بس ڈبل مجتہد بلکہ ڈیڑھ گز اس پر اور بھی بڑھ گئے۔ اصل بات کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کے وقت مبارک میں امیر وقاضی وحاکم

خوب عالم دین، مومن صادق مقرر ہوتے تھے۔ بے علم وفاسق کو امیر کرتے ہی نہ تھے۔ پس وہی اولی الامر ہیں جن کی اتباع واجب ہے اس لئے اب بھی وہ حاکم فی الدین ہوگا جو عالم کامل اور مومن صادق ہے۔

اب یوں یاد رکھو کہ:

(۱) حاکم سے مراد اہل اسلام نہ کفار

(۲) اہل اسلام سے اہل علم میں نہ کہ جاہل وملحد

(۳) اہل علم سے مراد وہ نہیں جو ترجمہ مشکوۃ پڑھ کر شیخ الکل محدث بن بیٹھے بلکہ وہ شخص مراد ہے جس کا حکم ہر حال میں قابل اتباع ہو۔ وہ سوائے مجتہدین کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے:

اذا حکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران وان اخطاء فله اجر واحد اس کے تحت میں امام نووی شرح مسلم جلد دوم کتاب الاقضیہ صفحہ ۷۶ میں لکھتے ہیں:

قال العلماء اجمع المسلمون علی ان ذالک الحدیث فی حاکم اهل للحکم۔ الخ۔

یعنی یہ حدیث مذکورہ اس حاکم کی نسبت ہے جو کہ لائق حکم ہے نہ ہر اک حاکم کے واسطے تو مجتہد جب حکم کرے گا تو یا کتاب وسنت سے یا اجتہاد سے اور بحالت صواب دو اجر سے اور بحالت خطا ایک اجر سے ماجور ہے اور ہر دو حالت خطا وصواب میں وہ مطیع الرسول ہے۔ پس مقلد بطریق اولیٰ مطیع الرسول ہے کیونکہ مقلد متبع مجتہد کا ہے اور مجتہد متبع حق ہے اور جو متبع حق ہے وہ واجب الاتباع ومطاع ہے۔ بخلاف غیر مجتہد کے کہ وہ نہ تو اجتہاد کرسکتا ہے نہ کسی اجتہادی مسئلہ پر مصیب وماجور ہے۔ بلکہ اگر قیاس کرے گا بھی تو عاصی وخاطی ہوگا۔ دیکھو شرح مسلم جلد دوم صفحہ ۷۶ وغیرہ اور اگر حکام اہل اسلام

عام لئے جائیں تو پھر بھی سلاطین اسلام تمام روئے زمین کے مقلد وصوفی مشرب ہیں۔ چنانچہ ترکستان وافغانستان وغیرہ اکثر حنفی نقشبندی ہیں اور مصر اور بغداد وغیرہ اکثر حنفی و حنبلی و مالکی وقادری ہیں۔ پس اگر حکام کی ہی تابعداری کرنا ہے تو وہ مقلد ہیں تم بھی تقلید کرو۔ اب آیت مذکورہ کی تشریح احادیث صحیحہ سے کی جاتی ہے جس سے صاف ثابت ہوگا کہ شرع شریف میں کتنے اصول اہلسنت کے نزدیک ہیں۔

(۱) عن معاذ بن جبل ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما بعثه الى اليمن قال كيف تقضى اذا عرض لک قضاء قال اقضى بكتاب الله قال و ان لم تجد فى كتاب الله قال اقضى بسنة رسول الله قال فان لم تجد فى سنة رسول الله قال اجتهد برای ولا آلو قال فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم على صدره و قال الحمد لله الذى وافق رسول رسوله بما يرضى به رسول الله صلى الله عليه وسلم ـ

(رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی)

یعنی حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم وامیر مقرر کر کے روانہ فرمایا اور پوچھا کہ اے معاذ! اگر تجھے کوئی مقدمہ درپیش آیا تو کیا کرو گے؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قرآن سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے پوچھا اگر قرآن میں نہ پائے تو پھر معاذ نے عرض کیا کہ حدیث سے۔ آپ نے فرمایا اگر حدیث میں نہ پائے تو معاذ نے عرض کی کہ پھر میں اپنے اجتہاد سے فیصلہ کروں گا اور بالسوال تقصیر نہ کروں گا۔ حضور علیہ السلام یہ جواب سن کر ایسے خوش ہوئے کہ معاذ رضی اللہ عنہ کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ جس نے معاذ کی رائے کو اپنے رسول ﷺ کی رائے کے موافق کر دیا۔

اے ناظرین اس حدیث سے تشریح آیت کی ہوگئی اور کئی امر ثابت ہوئے۔

(۱) احکام تین قسم پر ہیں قرآن، حدیث واجتہاد

(۲) بعض احکام بھی ایسے ہیں کہ نہ قرآن میں صاف نہ حدیث میں صریح۔

(۳) مجتہد جب قرآن وحدیث میں کوئی حکم نہ پائے تو اجتہاد سے فیصلہ کرے۔

(۴) بعد از قرآن وحدیث مجتہد ہی حاکم ہے اور مجتہد کا حکم ہی واجب الاتباع ہے نہ غیر مجتہد کا۔

(۵) اجتہاد خدا اور رسول کی مرضی کے موافق نہ مخالف۔

(۶) اہل یمن پر معاذ رضی اللہ عنہ کی اطاعت تینوں امور میں واجب تھی۔

(۷) مجتہد کو شارع علیہ السلام کے روبرو بھی اجتہاد سے کام لینا۔ حکم جاری کرنا جائز تھا۔ چہ جائیکہ بعد شارع کے۔ کیونکہ آپ نے معاذ کو یہ نہ فرمایا کہ اگر قرآن و حدیث میں نہ ملے تو میں فی الحال موجود ہوں مجھ سے بذریعہ خط وکتابت پوچھ لینا بموجودگی میرے قیاس کچھ نہ کرنا۔ مزید برآں احکام شرعیہ بھی وقتاً فوقتاً بدلتے رہتے تھے اور جدید احکام نازل ہوتے جاتے تھے۔ کوئی ناسخ کوئی منسوخ

(۸) اہل یمن کو بھی حضور علیہ السلام نے یہ حکم نہ فرمایا کہ معاذ رضی اللہ عنہ سے ہر مسئلہ کی دلیل طلب کرتے رہنا۔ اگر قرآن وحدیث سے کہے تو ماننا اگر اجتہاد سے کہے تو نہ ماننا حالانکہ وہاں کوئی عالم بھی نہ تھا۔

(۹) اہل یمن نے بھی معاذ رضی اللہ عنہ سے اصرار نہ کیا کہ شارع علیہ السلام کی موجودگی میں قیاس کی ضرورت نہیں اور صاحب نبوت کے روبرو قیاس کیا چیز ہے؟ یہ گویا اشارہ ہے کہ اگر مجتہد کو ضرورت درپیش ہو تو بلاشک وہ اجتہاد سے حکم کرے اور تعمیل کرائے اور شارع سے اجازت کا منتظر نہ رہے۔

(۱۰) مجتہد اپنے آپ کو یقیناً صادق وبرحق سمجھے ورنہ اگر خود ہی مجتہد کو شک ہو تو وہ

دوسرے کو مجبور کس طرح کر سکتا ہے۔

پس اس حدیث سے واضح ہوا کہ اولی الامر شارع علیہ السلام کے نزدیک مجتہد ہے اور بعد از قرآن و حدیث مجتہد ہی واجب الاتباع و مقتدا و مطاع ہے۔ اب اولی الامر سے حکام جہلاء یا فاسق مراد لینا خلاف مرضی شارع علیہ السلام ہے۔

حدیث دوم: العلم ثلثة ۔ اية محكمة اوسنة قائمة او فريضة عادلة ۔ الحديث۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ میں حدیث مذکورہ کے نیچے یوں لکھتے ہیں:

"فریضہ عادلہ ایست کہ مثل وعدیل کتاب وسنت است اشارت است باجماع و قیاس کہ مستند و مستنبط اند ازاں و بایں اعتبار آنرا مساوی و معادل کتاب وسنت داشتہ اند و تعبیر ازاں فریضہ عادلہ کردہ اند تنبیہ برآں کہ عمل بآنہا واجب است چنانچہ بکتاب وسنت۔ پس حاصل ایں حدیث آں شد کہ اصول دین چہار اند۔ کتاب وسنت واجماع و قیاس"۔

خلاصہ حدیث مذکورہ کا یہ نکلا کہ اہل اسلام کے نزدیک چار اصول ہیں۔ قرآن و حدیث واجماع و قیاس۔

حدیث سوم: ان عمر ابن الخطاب لماولی شريحا ن القضاء قال له انظر فيما تبين لک فی كتاب الله صريحا فلا تسئل عنه احداً وما لم تبين لک فی كتاب الله فاتبع ما فيه سنة محمد صلى الله عليه وسلم وان لم يتبين لک فی السنة فاجتهد فيه برايک رواه البيهقی

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شریح کو قاضی مقرر کر کے فرمایا کہ جو چیز صاف قرآن میں ہے اس کے متعلق کسی سے نہ پوچھ۔ اگر قرآن میں نہ ملے تو حدیث میں دیکھ اگر وہاں بھی نہ ملے تو اپنا اجتہاد کر۔ پس اس سے بھی ثابت ہوا کہ اولی الامر کے معنی مجتہد

ہیں نہ غیر کوئی۔

حدیث چہارم: كان ابوبكر رضی الله عنه اذا اورد عليه الخصم نظر فی كتاب الله فان وجد ما فيه يقضی بينهم قضى به وان لم يكن فی الكتاب و علم من رسول الله صلى الله عليه وسلم فی ذالک الامر سنة قضى به فان اعياه خرج فسال المسلمين الى ان اذا اجتمع رايهم على امر قضى به رواه الدارمی۔

یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی مقدمہ آتا تو اگر قرآن و حدیث سے جواب ملتا تو فیصلہ کرتے اگر دونوں سے نہ ملتا تو اجماع اہل اسلام کی رائے سے فیصلہ کرتے۔

حدیث پنجم: دیکھو رسالہ انصاف مصنفہ شاہ ولی اللہ دہلوی ۔قال عبد الله ابن عباس اذا سئل عن الامر فكان فی القرآن اخرج به وان لم يكن فی القرآن و كان عن رسول الله صلى الله عليه وسلم اخرج به فان لم يكن فعن ابی بكر و عمر فان لم يكن فيه فامر برايه. وفی رواية فانظر ما اجتمع عليه الناس فخذ به (رواہ الدارمی ص ۳۳، ۳۴)

یعنی اگر ضرورت کسی مسئلہ کی ہو تو پہلے قرآن میں دیکھو پھر حدیث میں پھر شیخین کے فیصلہ جات میں۔ اگر نہ ملے تو جماعت مسلمین سے اگر وہاں نہ ہو تو اجتہاد سے فیصلہ کرو۔ یہی فیصلہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اس سے بھی چار اصول قرآن و حدیث واجماع و قیاس ثابت ہوئے۔

حدیث ششم: عن عبد الله ابن مسعود قال فمن عرض له قضاء بعد اليوم فليقض فيه بما فی كتاب الله فان جاء ه ما ليس فی كتاب الله ولم يقض

بہ بما قضیٰ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ فلیقض بما قضی بہ الصالحون ۔(الحدیث، رواہ الدارمی)

یعنی اگر کسی کو کوئی مقدمہ پیش آئے تو قرآن وحدیث سے فیصلہ کرے، اگر وہاں سے مسئلہ نہ ملے تو اولیاء، صلحاء کے فیصلہ جات پر فیصلہ کرے۔ قضی بہ الصالحون سے مراد علماء صادقین و آئمہ مجتہدین ہیں۔ کیونکہ شرعی معاملات کا فیصلہ مجتہد ہی ٹھیک کر سکتا ہے نہ جاہل وابجد خواں۔

حدیث ہفتم: عن عبد اللہ قال اذا سئلتم عن شی فانظروا نی فی کتاب اللہ فان لم تجدوہ فی کتاب اللہ ففی سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان لم تجدوہ فی سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ففیما علیہ المسلمون فان لم یکن فیما اجتمع علیہ المسلمون فاجتھدوا برأیک. (رواہ الدارمی۔ باب الفتیا)

یعنی جب تم سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو قرآن وحدیث دیکھ کر بتاؤ۔ نہیں تو جماعت مسلمین کی رائے سے فیصلہ کرو، ورنہ اجتہاد کرو۔ اس حدیث سے بھی چار اصول قرآن وحدیث واجماع وقیاس ثابت ہوئے۔ پس اب جو شخص چار اصول میں سے دو کو تو لیتا ہے اور دو (اجماع وقیاس مجتہد) کا مخالف ہے۔ وہ نہ صرف وہابی بلکہ مفسد فی الدین وملحد ہے۔

سوال: ہر اک فرقہ خواہ مرزائی ہو نیچری ہو وہابی یا مسلمان اہلسنت ہو۔ سب کا یہی دعویٰ ہے کہ ہماری طرف اس قدر لوگ ہیں۔

الجواب: اس کا فیصلہ تو حضور علیہ السلام نے صاف کر دیا ہے چنانچہ وہ یہ ہے:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن الامر یحدث لیس فی

کتاب ولا فی سنة فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینظر فیہ العابدون من المومنین ۔(رواہ الدارمی ص ۴۸)

ایک حدیث یوں ہے: فلیقض بما قضا بہ الصالحون ۔(رواہ الدارمی)

اور ایک حدیث یوں ہے: اتبعوا السواد الاعظم ۔(رواہ ابن ماجہ)

یعنی جو نئی بات قرآن وحدیث میں نہ ہو تو پہلے عابدین لوگ اس امر محدث پر نظر کریں پھر جو وہ فیصلہ کریں اس پر تم بھی فیصلہ کرو پھر اگر اختلاف ہو جائے تو جماعت کثیر کی اتباع کرو۔

پس روایات بالا کے ملاحظہ سے صاف نظر آتا ہے کہ علماء صادقین و آئمہ مجتہدین نے جو فیصلے کئے ہیں ایماندار کو انہیں پر چلنا چاہیئے۔ باقی تفصیل بذیل آیہ نمبر ۴ ملاحظہ فرماؤ۔ یعنی چوتھی دلیل کے تحت میں پڑھو۔ پس ان اور آئندہ نمبر ۴ کی آیت کے ذیل کی حدیثوں سے کئی امور تصفیہ وفیصلہ پا گئے۔ مثلاً میلاد شریف کرنا، عرس شریف کرنا، نذر و نیاز دینا، فتحات اہل اللہ پڑھنا، میت کا سوم و چہارم و ہفتم و چہلم کرنا، وغیرہ وغیرہ کیونکہ یہ سب کچھ معمولات حضرات بزرگان دین سے ہے۔ اب امید ہے کہ وہابی زیادہ بک بک نہ کریں گے۔

سوال: آیت مذکورہ واحادیث سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ اصول اسلامیہ چار (قرآن و حدیث واجماع وقیاس) ہیں مگر ایک امام کی تقلید کہاں سے نکلی۔

الجواب: ناظرین! ہم نے صرف تمہاری تفہیم کے واسطے یہ امر مقدمہ میں طے کر دیا ہے چنانچہ مکرر توجہ دلاتا ہوں کہ امر پانزدہم ودوم وغیرہ کو خیال سے پڑھے گا۔ لیکن پھر مختصر طور پر یاد رکھو کہ جو مسائل صاف وصریح قرآن وحدیث میں نظر آتے ہیں یا جن مسائل میں آئمہ مجتہدین متفق ہیں یا جو اجماع سے ثابت ہیں۔ ان میں تقلید شخصی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ہاں جن مسائل میں حضرات مجتہدین اختلاف رکھتے ہیں۔ تقلید شخصی تو ان

میں واجب ہے کیونکہ موضع خلاف میں سب حق پر نہیں ہوتے بلکہ صرف ایک ہی
صاحب حق پر ہوتا ہے اور باقی اماموں پر صرف احتمال حق ہوتا ہے۔ گو وہ سب حضرات
بخیال تحقیق خود حق پر ہوں پس ایسے موقع پر بے علم و غیر مجتہد پر لازم ہے کہ اس مجتہد کی
تقلید کرے جس کو آئمہ اربعہ میں سے افضل و اعلم خیال کرے تا کہ طبیعت حیران و
پریشان نہ ہو اور اہل اسلام سے نکل کر مرزائی نیچری وغیرہ نہ ہو جائے اور اعلم و افضل کی
تقلید کرنا یہ میرے دل کی بات نہیں بلکہ خود جناب سرور عالم علیہ السلام کا فرمان ہے۔

حدیث اوّل: من تولی امر المسلمین شیئا فاستعمل علیھم رجلا و
یعلم ان فیھم من اولی بذالک و اعلم منه بکتاب الله و سنة رسوله فقد
خان الله ورسوله و جماعة المسلمین . کذافی فتح القدیر .

حدیث دوم: من استعمل رجلا من عصابته و فیھم من ھو ارضی لله منه
فقد خان الله ورسوله والمومنین اخرجه الحاکم و ابن عدی و العقیلی
والطبرانی و الخطیب ط

یعنی جو شخص مسلمانوں کا کسی امر میں متولی و متصرف مختار ہوا پھر اس نے
مسلمانوں پر کسی ایسے شخص کو عامل و حاکم مقرر کیا کہ جس سے بڑھ کر زیادہ عالم و فقیہ و
دوست خدا بھی موجود ہے اور اعلم و افقہ کو چھوڑ کر اور کو حاکم مقرر کیا تو اس نے خیانت کی۔
خدا کی اور رسول علیہ السلام کی اور جماعت اہل اسلام کی۔ پس ثابت ہوا کہ اعلم و افقہ کی
اتباع واجب ہے اور تولی عام ہے اس سے کہ دینی ہو یا دنیاوی۔ پھر مجتہدین میں سے کسی
کو اعلم و افقہ جان کر اس کی تقلید سے ہٹا کر ان سے پست درجہ والے یا غیر مجتہد کی تقلید کرنا
یا کرانا اپنے آپ کو خائن خدا اور سول علیہ السلام و اہل اسلام کا بنانا ہے اور ہمارے نزدیک
اگر چہ مجتہدین مذہب اربعہ بعد صحابہ تمام امت سے زیادہ بزرگ اور عالم و فقیہ ہیں۔ مگر

کل مجتہدوں میں سے امام العالم امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مرتبہ افضل و اکمل ہے اور آپ
جملہ مجتہدین و محدثین میں سے اعلم [۱] و افقہ و اورع ہیں چنانچہ دیکھو تبییض الصحیفہ امام
سیوطی کا اور میزان امام شعرانی مالکی کی اور خیرات الحسان و تائید المنان وغیرہ۔

حدیث سوم: اذا وسد الامر الی غیر اھله فانتظروا الساعة ۔ (رواہ البخاری)

یعنی جب نا اہل نالائق لوگوں کے سپرد کام کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔
گویا اشارہ ہے کہ لائق لوگوں کو لوگ چھوڑ کر نالائقوں کو اپنا امام بنائیں گے
جیسا کہ فی زمانہ امامان دین و مجتہدین صادقین کو چھوڑ کر مرزا قادیانی و سید احمد خان نیچری
و مولوی اسماعیل و نذیر حسین دہلوی وغیرہ کو اپنا امام سمجھتے ہیں۔

حدیث چہارم: قال ابو موسیٰ اشعری فی حق ابن مسعود . لا تسئلونی
ما دام ھذا الحبر فیکم کذافی المشکوٰۃ ۔ (ہدایہ جلد اول ص ۲۸)

یعنی اے لوگو! مجھ سے کچھ نہ پوچھو جب تک عبداللہ بن مسعود تم میں سے ہے۔
چونکہ ابن مسعود صحابہ میں اعلم بالحدیث تھے اس لئے اعلم کی موجودگی میں دوسرے کی
ضرورت [۲] نہ رہی۔

حدیث پنجم: مثل المنافق کمثل الشاۃ العائرہ بین الغنمین تعریٰ الی ھذہ
مرة والی ھذہ مرة . (رواہ مسلم)

یعنی مثال منافق کی اس بکری کی مانند ہے جو (۲) دو ریوڑوں میں پھرتی ہے۔
کبھی ادھر کو جا ملی کبھی اُدھر کو جا گھسی۔ پس دو مذہبوں پر چلنا گویا منافقوں کی شکل بنانا ہے

حدیث ششم: من اتاکم وامر کم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق

۱: ثم انھم تفرقوا الی البلاد و صار کل واحد مقتدی ناحیة من النواحی و کثرة الوقائع

فاستفتوا فيها فاجاب كل احد حسب ما حفظه او استنبط ۔الخ۔(حجۃ اللہ البالغہ)

۲: چنانچہ ہدایہ شریف جلد اوّل صفحہ ۸۴ میں بھی یہی مضمون ہے۔

عصاكم اويفرق جماعتكم فاقتلوهم ۔(رواہ مسلم)

یعنی جس وقت تم ایک شخص کے ماتحت ومحکوم ہو پھر کوئی اور شخص تم کو اس جماعت سے یا اس کی متابعت سے جدا کرنے کا ارادہ کرے تو اس کو قتل کرو۔

اس حدیث نے صاف دکھادیا کہ جو شخص مقلد شخصی ہو پھر اس کو کوئی امام کی تقلید سے ہٹانا چاہے تو وہ ہٹانے والا شرعاً واجب القتل ہے۔

سوال: خدا نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ فلاں امام کی تقلید کرو۔ مثلاً امام اعظم کی تقلید یا شافعی کی وغیرہ۔ اس سے صاف وصریح فیصلہ ہوجاتا۔

الجواب: جب خدا نے اولی الامر کی اطاعت کا حکم اپنے حکم کے ساتھ ہی فرمایا تو اب وجوب کے کیا معنی۔ ہاں نام بنام لے کر اس لئے نہیں فرمایا کہ اس تمہارے جدید قاعدہ سے تمام نصوص لغو وباطل ہوجائیں گی کیونکہ پھر تو ہر اک زانی کہے گا۔ میرے نام کی حد نکالو۔ شرابی کہے گا کہ میرے نام کا حکم نکالوں۔ چور وقاتل کہے گا میرے واسطے خاص حکم بتاؤ۔ بے نمازی، بے روزہ، تارک زکوۃ سب کہیں گے کہ ہمارے نام پر حکم بتاؤ۔ ہم کو کہاں حکم ہے کہ تم ایسے ایسے کام کرو۔ یا خدا نے کہاں فرمایا کہ غیر مقلدوں کے مولوی فلاں فلاں ہیں ان کے پیچھے چلو۔ فلاں فلاں جھوٹا ہے اس کی نہ مانو۔ غرضکہ یہ طریق استدلال جو ہم سے طلب کیا جاتا ہے محض دھوکا دہی وفریب بازی ہے۔ جبکہ اطاعت اولی الامر کی واجب ہوئی اور اولی الامر حضرات مجتہدین ثابت ہوئے تو تقلید واجب ہو گئی۔ اب بات صرف یہ رہی کہ حضرات نے جو جو مسائل استخراج کئے ہیں وہ سب کے سب قابل تقلید ہیں یا نہیں؟ تو اس کا صاف جواب یہی ہے کہ مقلد غیر مجتہد کے واسطے

یہی بہتر ہے کہ اپنے اپنے امام کے سب مسائل مفتی بہ پر عمل درآمد رکھے۔ کیونکہ خود تو مجتہد نہیں غیر مجتہد کا اجتہاد مجتہد کے مقابلہ میں مقبول نہیں اور بہرحال اس کو مجتہد کی اتباع کرنا ضروری ہے اور مجتہد کامل صواب وخطا پر دو حال میں ماجور ہے نہ ماخوذ اور یہ بار بار جتلایا گیا کہ جن امور میں صریح کوئی حکم شارع سے مروی نہیں اس میں حضرات مجتہدین کا ضرور اختلاف ہوگا۔ چنانچہ حدیث ہے:

انما راى الائمة فيما لم ينزل فيه كتاب ولم تمض به سنة الحديث (دارمی ص ۶۱ ودراسات اللبیب ص ۵۴)

پس جبکہ کسی مسئلہ پر اماموں کی مختلف رائیں ہیں اور ہر اک امام کے پاس کوئی نہ کوئی وجہ حق وصواب بھی موجود ہے اور خلاف نصوص بھی نہیں تو غیر مجتہد کو بغیر ایک کی تقلید کے چارہ بالکل نہیں۔ ہاں ایک بات قابل یادداشت ہے وہ یہ ہے کہ بالفرض اگر کوئی مسئلہ بظاہر مخالف نصوص معلوم ہو اور کسی ترجمہ مشکوٰتی مولوی کے عقل کے کوزہ میں نہ آئے تو کیا کیا جائے۔ تو جواب حق یہ ہے کہ وہ مسئلہ گو مشکوٰتی ترجمہ خوان کے فہم میں نہ آئے مگر وہ مسئلہ اگر کسی مجتہد کامل کے نزدیک درست ہے تو بے شک فی الاصل درست وحق ہے۔ ایسے موقعہ پر مشکوٰتی ترجمہ خوان کے خلاف کرنا اور مجتہد کے حکم پر ثابت رہنا عین مرضی خدا ورسول علیہ السلام واہل اسلام ہے۔ چنانچہ حضرات فقہاء کا بھی یہی ارشاد ہے کہ جو شخص ازروئے صداقت وحقانیت وبراہین وورع وعلمیت مذہبی تفضیل وترجیح رکھتا ہو اور اس کی تحقیقات واجتہاد فوقیت رکھتا ہو تو اُسی کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا۔ چنانچہ درمختار المختار میں ہے:

ان الحكم والفتيا بالقول المرجوع جهل و خرق الاجماع ۔

پس ازروئے قرآن وحدیث واجماع تقلید شخصی واجب ثابت ہوئی اور مخالف تقلید خارج از اہلسنت والجماعت ثابت ہوا۔ اللهم ثبتنا على مذهب ابى حنيفة.

تیسری دلیل وجوب تقلید پر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ویتبع غیر سبیل المومنینْ نوله ما تولی و نصله جهنم و ساء ت مصیراً ط (پ۵، سورۃ النساء، آیت ۱۱۵)

اور جو کوئی تابعداری کرے مومنوں کے راستہ کے سوائے اور راستہ کی تو اس کو ہم دوزخ میں بُری جگہ دیں گے۔

اس کے نیچے تفسیر کبیر جلد ثالث جلد ۴۷۲ میں لکھا ہے:

ان الشافعیؒ سئل من آیة فی کتاب الله تعالیٰ تدل علی ان الاجماع حجة فقراء القرآن ثلث مائة مرة حتی وجد هذه الایة و تقریر الاستدلال ان اتباع غیر سبیل المومنین حرام فوجب ان یکونْ اتباع سبیل المومنین واجبا ط

یعنی امام شافعی سے سوال کیا گیا کہ اجماع اُمت کی حجت شرعی ہونا کس دلیل سے ثابت ہے۔ تو آپ نے تین سو مرتبہ قرآن شریف پڑھا۔ آخر الامر یہی آیت بار بار نظر آئی اور اس پر آپ نے یوں تقریر فرمائی کہ خلاف راستہ مومنوں پر چلنا حرام ہوا تو راستہ مومنوں پر چلنا واجب ہے۔

اور تفسیر مدارک ص ۱۳۵ میں بذیل آیت ہذا لکھا ہے:

وهو دلیل علی ان الاجماع حجة لا یجوز مخالفتها کما لا یجوز مخالفة الکتاب والسنة .

یعنی یہ دلیل ہے اس پر کہ اجماع اُمت حجت ہے جیسا کہ قرآن وحدیث کی مخالفت جائز نہیں ویسا ہی اجماع کی مخالفت جائز نہیں۔

اور تفسیر بیضاوی ص ۲۰۱ بذیل آیہ ہذا یوں ہے:

والایة تدل علی حرمة مخالفة الاجماع الی ان قال و اذا کان اتباع غیر سبیل المومنین محرما کان اتباع سبیلهم واجبا وقد استقصیت الکلام فیه فی مرصاد الافهام .

یعنی یہ آیت دلیل ہے اجماع کے حجت ہونے پر۔ اگرچہ یہ ایک ہی آیت کافی ہے اجماع کی حجت ہونے پر مگر تاہم چند اور آیات بھی حاضر ہیں۔ جن سے مضمون مذکورہ کو اور بھی زیادہ امداد و تقویت ملتی ہے۔

آیت اوّل: والذین یحآجون فی الله من بعد ما استجیب له حجتهم داحضة عند ربهم و علیهم غضب ولهم عذاب شدید ۔

(پ۲۵، سورۃ الشوریٰ، آیت ۱۶)

یعنی جس بات حق کو مسلمان جان چکے پھر اس میں مفسدین کا جھگڑا ڈالنا یہ دوزخیوں اور مغضوب علیہم کا کام ہے۔

یہ آیت صاف اس پر دال ہے کہ جب اہل اسلام کسی بات پر اجماع کرلیں تو اس کو توڑنا حرام ہے چنانچہ تقلید پر کل اہل اسلام کا قولی وفعلی اتفاق ہے تو اس کا توڑنا سخت حرام ہے۔

آیت دوم: لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها ۔

(پ۸، سورۃ الاعراف، آیت ۵۶)

یعنی جب کوئی بات اصلاح پر آجائے اور مسلمان مصلح ہوں تو پھر فساد نہ کرو۔ یعنی جب کل مسلمان الاشاذ، تقلید کو واجب سمجھ کر اس پر کاربند ہوگئے تو اس کو توڑنا ممنوع وحرام ہے

آیت سوم: جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا شھد علی الناس ۔

(پارہ۲، سورۃ بقرہ، آیت ۱۴۳)

یعنی تم کو امت عادلہ و درمیانہ بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کی گواہی دو۔ چنانچہ سب نے گواہی دی کہ تقلید واجب ہے تارک اس کا خارج از اہلسنت ہے۔ مقلدین فرقہ ناجیہ ہے۔

آیت چہارم: کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر ۔ (پارہ۴، سورۃ آل عمران، آیت ۱۱۰)

یعنی تم اُمت بہتر ہو۔ بہتری کی ظاہر بات یہ ہے کہ تم لوگ نیکی کا حکم کرتے ہو اور گناہوں سے باز رکھتے ہو۔ جیسی کہ اس امت کی نشانی بہتری کی یہ ہے کہ نیک بات بیان کرتے اور گناہ سے منع کرتے تو پھر تقلید کو جو علمانے واجب لکھا ہے اور لامذہبی کو سخت گناہ لکھا ہے تو اب علماء کا خلاف کرنا گویا آیت کا خلاف کرنا ہے۔ اگر کہو کہ علماء و صلحاء اور صوفیا نے غلط کہا ہے تو آیت مذکورہ کی تکذیب ہوتی ہے کیونکہ خدا نے جو امر بالعروف و نہی عن المنکر اس اُمت کی تعریف فرمائی ہے۔ (معاذ اللہ) جھوٹ ہے اور یہ بات بھی ظاہر تر ہے کہ امر معروف و نہی منکر صرف علماء ہی کا کام ہے نہ جہلا کا۔ تو علماء خود بھی مقلد اور وجوب تقلید کے بھی قائل۔ اگر کوئی کہے کہ وہابیوں، مرزائیوں، نیچریوں کے مولوی بھی تو اُمت میں شامل ہیں پھر یہ فرقے کیوں دوزخی بنے۔ تو اس کا جواب آیت اولی الامر کے تحت میں گزر چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان فرق بالا نے دو اصول کو لیا اور دو کو ترک کیا ہے اور اتباع سبیل المومنین و سواد اعظم سے خارج و باہر ہو گئے ۔لہذا وہ فرقے اہلسنت و جماعت سے نکل گئے پس آیت مذکورہ کے الفاظ و عموم معانی سے ظاہر ہے کہ جس طریق جس امر کو اہل اسلام پسندیدہ و بہتر قرار دیں۔ خواہ من حیث الاعمال والافعال خواہ من حیث الاصول والعقائد۔ اس سے جدا رہنا دوزخیوں کا شیوہ اور

بدعتیوں ملحدوں کا طریقہ ہے۔ نعوذ باللہ منہم ابداً۔

سوال: یہ آیات مذکورہ صحابہ کرام کی شان میں وارد ہیں تو مراد مومنین سے صحابہ ہوئے نہ ہر ایک مسلمان۔

الجواب: پھر نماز و روزہ اور زکوٰۃ کو بھی ترک کرو کیونکہ اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ یا اتموا الصیام یا واعلموا یا اطیعوا وغیرہ کے مخاطب بھی وہی ہیں اور سارا قرآن جو احکام و ارشادات ہیں یہ سب صحابہ کو ہی خطاب ہیں۔ یہ بات یاد رہے کہ تمام قرآن شریف کے دو ہی حصے ہیں یا تو اہل ایمان کے متعلق ہیں یا کفار و مشرکین کے متعلق۔ پھر اگر قرآن وہاں پر ہی رہا تو آج قرآن کریم نے کیا کام دیا۔ اصل یہ ہے کہ قرآن شریف خواہ کسی وقت کسی شخص کے حق میں ہو مگر حکم میں تعمیم اس صنف کی ضرور ہے جس کے متعلق نازل ہوئی۔ مثلاً چوروں کے واسطے قیامت تک ہر اک چور زانی، شرابی کیلئے قیامت تک ہر ایک شرابی زانی شامل داخل ہے۔ پس بلحاظ الفاظ آیات و عموم معانی صاف ظاہر ہے کہ اس میں کل مومنین صادقین شامل داخل ہیں۔ اگر چہ آیات کے اور معانی و مرادات و احتمالات بھی ہوں مگر کسی پر حصر نہیں۔ ہاں یہ بات یاد رہے کہ آیات میں المومنین سے مراد کل مومن شرعی و لغوی نہیں۔ کیونکہ کل متبوع و مطاع بننے کے قابل نہیں اور کل ۷۳ فرقے بھی مراد نہیں۔ کیونکہ ہر اک فرقہ قابل اتباع نہیں۔ خصوصاً موضع اختلاف میں۔ پس مقتدا و مطاع وہی بن سکتے ہیں جو اکرم و اعلم و اتقی ہیں۔ وجہ اس کی صاف عیاں ہے کہ کل افراد اہل اسلام کا اجتماع کسی فرع میں محال ہے۔ جبکہ صحابہ کرام (جن کی خاص تعداد تھی) کا کئی امور میں بعض وقت اختلاف تھا تو پھر کل اُمت کا اجتماع کس طرح ممکن ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس آیت سے مراد اکثر علماء کرام و صلحاء عظام ہر زمانہ ہیں، نہ فرقہ وہابی یا مرزائی یا نیچری۔ چنانچہ یہ بات حدیثوں سے ثابت ہے۔

چوتھی دلیل وجوب تقلید پر

قال اللہ تعالیٰ. ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لا تبعتم الشیطان الا قلیلا ۔(پارہ ۵، سورۃ النساء، آیت ۸۳)

یعنی اگر تم پر خدا کا فضل نہ ہوتا تو تم شیطان کے تابع بن جاتے مگر قلیل پکے مومن شیطان سے بچ جاتے اور یہ بات سب پر واضح ہے کہ لوکا مفہوم مخالف اور قلیل کا مقابل حقیقتاً کثیر ہے تو آیۃ سے چند فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) اگر خدا کا فضل نہ ہوتا تو تم سب شیطان کے متبع ہوجاتے مگر چونکہ خدا کا فضل تم پر ہے اس لئے زیادہ تو متبع رحمان ہوں گے اور قلیل متبع شیطان رہیں گے۔

(۲) اس اُمت میں جس طرف زیادہ مسلمان ہوں وہ متبع رحمان ہیں اور اُن پر خدا کا فضل ہے اور جو کم ہیں وہ متبع شیطان ہیں۔

(۳) سوائے مسلمانوں یعنی اُمت محمدیہ کے اور جہاں جہاں لفظ قلیل یا کثیر آیا ہے وہاں پر مقابلۃً قلیل کو ہی کثیر بتایا اور سمجھایا گیا ہے اور اس اُمت پر زیادہ فضل خدا ہے اس لئے زیادہ جماعت کثیر اہل ایمان بنائی گئی۔ یعنی کسی نبی کی اُمت اس قدر نہ تھی بلکہ بعضوں کی تو بہت ہی کم تھی اور ان کا مذہب وملت ساری دنیا میں شہرت پذیر نہ ہوا ہر چہار طرف کفار ہی تھے۔ اس لئے وہاں پر قلیل ہی کو کثیر کہا گیا ہے اور اس اُمت کی اشاعت وانتشار تمام دنیا میں ہوگیا تو یہ کثیر حقیقتاً اور مجازاً بنائی گئی تو نتیجہ یہ نکلا کہ جب کفار کے مقابلہ میں مسلمان آئیں تو لفظ قلیل ہی معتبر ہے اور جب آپس میں کسی دینی امر میں تقابل ہو تو وہاں پر بلکہ اکثر معتبر وحق پر ہے۔ کیونکہ قلت میں اکثر خطا کا احتمال رہتا ہے اور کثرت خصوصاً اکثریت میں کم احتمال بلکہ شاذ ونادر خطا کا احتمال ہے۔

(۴) ہمیشہ دستور ہے کہ جس جگہ کسی امر دینی یا دنیاوی میں کچھ بحث وجھگڑا چلتا ہے

تو بوقت اختلاف اکثر کی رائے وبیان کی فوقیت وترجیح دے کر فیصلہ کرتے ہیں۔ یہی قانون حضور علیہ السلام نے از روئے وحی جاری کردیا۔ چنانچہ یہی آیۃ اور صدہا احادیث اس کی موید ہیں۔ سیاتی تفصیلاً۔

(۵) صرف لفظ قلت یا کثرت پر ہی نہ مرنا چاہیئے بلکہ اس میں خوض وغور بھی ضروری ہے کس کی قلت اور کس کی کثرت۔ اگر قلت تمہارے نزدیک صرف امام العالم امام اعظم کا وجود مبارک ہے اور کثرت سے مراد دیگر حضرت مثل بخارو مسلم وترمذی وغیرہم تو بے شک آپ قلت کی متابعت فرض سمجھو۔ اگر قلت سے مراد چند نجدی یا دیوبندی یا اسماعیلی یا نذیر حسینی فرقہ ہے اور کثرت سے مراد حضرات مجتہدین ہیں تو کیا آپ کا ایمان ایسا ہی ہے کہ معدودے چند غیر معتبر کو تو امام بناؤ اور کل مسلمانوں کے اماموں کو ترک کردیں۔ معاذ اللہ۔

سچ ہے: ان یرد سبیل الغی یتخذوہ ۔(پارہ ۹، سورۃ اعراف، آیت ۱۴۶)

(۶) اگر جماعت کثیر وسواد اعظم کو غیر مقلد گمراہ ٹھہرا کر اپنی قلیل تعداد کو ہدایت پر ثابت کرتے ہیں تو پھر دیگر فرقے مثلاً نیچری ومرزائی وچکڑالوی وملحد وزندیق وغیرہم جو بالکل اُن سے بھی قلیل ہیں کیوں نجات نہیں پاسکتے۔ پھر وہابیوں کی کیا خصوصیت ہے پھر تو جتنے فرقے قلیل ہیں سب کے سب ناجی کہلاسکتے ہیں۔

(۷) دنیا میں جس قدر فرقے ہیں وہ فرداً فرداً سب قلیل بلکہ اقل ہیں۔ اہلسنت والجماعت کے مقابلہ میں کیونکہ اہلسنت والجماعت کی کثرت بلکہ اکثریت عملاً وعقیدۃً اصولاً وفرعاً بھی ثابت اور از روئے تعداد بھی اکثر ہیں۔ یہاں تک اگر تمام دنیا کے مسلمانوں کو چار حصوں پر تقسیم کیا جائے۔ تو تین حصے اہلسنت والجماعت ہیں اور ایک حصہ دیگر فرقے۔ چنانچہ ملک عرب اور ملک وافغانستان تو بالکل اہلسنت اور ہندوستان

کی کثرت تو ظاہر ہے۔ یہی احسان خدا نے جتلایا جو کہ آیۃ مذکورہ میں ہے جس کی صورت یہ ہوئی کہ کثیر اہلسنت والجماعت اور قلیلا میں دیگر گمراہ فرقے شامل ہوئے۔

(۸) قلت و کثرت کا جب تقابل ہو تو مساوات بھی ضروری ہے مثلاً حکما و ڈاکٹر ہوں تو برابر یا فقیہ و محدث ہوں تو برابر یا ممبر کمیٹی ہوں تو برابر وغیرہ۔ نہ یہ کہ ایک طرف ایک مجتہد اعظم اور دوسری طرف ہزار وہابی۔ ع...... چہ نسبت خاک را با عالم پاک

مثلاً: میلاد شریف کو کل عرب و عجم کے کروڑہا مسلمان علماء و صلحاء کرتے ہیں اور جواز کے قائل ہیں تو چند وہابی یا دیوبندی و گنگوہی کا انکار کیا وقعت رکھتا ہے یا کروڑ دو کروڑ اہل اسلام قدیماً و حدیثاً کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام آسمان پر زندہ گئے اور تا حال زندہ ہیں۔ قریب قیامت آسمان سے نزول فرمائیں گے اور بلا باپ پیدا ہوئے اور جنات و ملائکہ کا وجود بہ ہیئت کذائی ہے یا مہدی علیہ السلام کا اولاد فاطمہ سے ہونا اور دجال کا قبل از قیامت نکلنا اور اقسام کے شعبدات دکھانا یا حضور علیہ السلام سے شق القمر ہونا یا انبیاء اولیاء سے مردوں کا زندہ ہونا یا نذر و نیاز و فاتحہ و عرس اموات کا جائز ہونا یا تقلید شخصی کا واجب ہونا وغیرہم اہل اسلام عرباً و عجماً ہندی سندھی بکثرت متواتر مانتے چلے آئے ہیں اور تا حال کثیر الاکثر ان امورات کے قائل و پابند ہیں۔ پھر اگر نیچری مرزائی وہابی منکر ہوں تو وہ از روئے آیات و احادیث مردود و مطرود ہیں اور زیادہ لطف یہ ہے کہ اہلسنت والجماعت کا مخالف اگرچہ ایک ہی وجود ہے مگر وہ اپنے آپ کو سواد اعظم و جماعت کثیر ہی کہتا ہے اور تمام اہلسنت کو قلیل سمجھتا ہے۔ ع...... "برعکس نہند نام زنگی کافور"

پس خلاصہ یہ ہے کہ جب کہیں اختلاف پیدا ہو تو بیانات مذکورہ کو مد نظر رکھ کر سوچے اور پھر متابعت کثرت کر کے نجات حاصل کرے کیونکہ شارع علیہ السلام نے جو بار بار اتباع کثرت کی ترغیب و تحریص دلائی ہے اس سے نتیجہ کیا اور فائدہ کیا نکلا۔ اگر ا کثرت و

قلت میں صداقت و حقیقت کا دخل نہ ہوتا تو اس قدر شارع علیہ السلام کی حث و ترغیب ہی لا طائل ہے۔ پھر تو صرف اتنا ہی کافی تھا کہ حق کی اتباع کرو خواہ کثرت ہو خواہ قلت

ا اثنان خیر من واحد والثلاثة خیر من اثنین والاربعة خیر من ثلاثة فعلیکم بالجماعة فان الله لن یجمع امتی الا علیٰ هدی۔ کنز العمال جلد ۴، حدیث نمبر ۲۵۴۴

پھر یہ لفظ اکثر یا جماعت کثیر یا سواد اعظم وغیرہ کی جو قیدیں شارع نے لگائی ہیں۔ بالکل مہمل بے کار ٹھہریں گی۔ حالانکہ شارع علیہ السلام کا کوئی لفظ مہمل و بے کار نہیں۔ اب ہم وہ حدیثیں لکھتے ہیں جن سے اتباع کثرت کا حکم ہے اور وہ حدیثیں آیۃ مذکورہ کی تفسیر و تشریح کرتی ہیں۔

حدیث اوّل: عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اتبعوا السواد ا الاعظم فانه من شذ شذ فی النار۔ (رواہ ابن ماجہ)

یعنی بڑی جماعت کی متابعت کرو کیونکہ جو شخص جدا ہوا دوزخ میں گرا۔

شیخ عبدالحق بذیل حدیث ہذا لکھتے ہیں:

"مراد حث و ترغیب است بر اتباع آنچہ اکثر دراں جانب اند"

شیخ محمد طاہر صاحب مجمع البحار میں اس حدیث کے نیچے لکھتے ہیں:

انظر والی ما علیه اکثر علماء المسلمین من الاعتقاد و القول والفعل فاتبعوه فیه فانه هو الحق وما عداه الباطل ۔ پس خلاصہ یہ کہ جس طرف علماء و صلحاء کی جماعت کثیر ہو اس طرف کھڑے ہو جاؤ کہ حق ہے۔

حدیث دوم: عن معاذ بن جبل قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ الشاذة والقاصیة والناحیة وایاکم والشعاب و علیکم بالجماعة والعامة ۔ (رواہ احمد)

یعنی تحقیق آدمی کا بھیڑیا شیطان ہے۔ جس طرح بھیڑیا اس بکری کو پکڑتا ہے
جو علیحدہ ہوگئی یا کنارہ پر چلے یا پیچھے رہ گئی ہو اسی طرح شیطان بھی اس کو پکڑتا ہے جو

ف: شاہ ولی اللہ صاحب عقد الجید میں لکھتے ہیں لما اندوست المذاھب الحقة الاھذہ
الاربعة کان اتباعها اتباعا للسواد الاعظم والخروج عنها خروجا عنه۔

جماعت کثیر سے الگ ہوگیا پس بچو بہت راستوں (مذہبوں) سے اور لازم پکڑو بڑی
جماعت کو جس میں خاص و عام شریک ہوں۔

اس حدیث کے نیچے شیخ عبدالحق محدث لکھتے ہیں:
"اشارت است بآنکہ معتبر اتباع اکثر و جمہور است چہ اتفاق کل در ہمہ احکام واقع بلکہ ممکن نیست"

حدیث سوم: عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فارق
الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه رواہ احمد و ابوداؤد۔

یعنی جو شخص بڑی جماعت سے الگ ہوگیا۔ بقدر ایک بالشت تو تحقیق اس نے
قلادہ اسلام کا اپنی گردن سے نکال دیا۔

ف: یعنی اہلسنت سے ایک ذرہ بھی بغض و عداوت و مخالفت اختیار کی تو بس مردود ہوگیا
۔ چنانچہ مرزائی، نیچری، وہابی اس واسطے مردود ہوگئے۔

حدیث چہارم: عن ابی مالک الاشعری قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ان اللہ اجارکم من ثلاث خلال ان لا یدعو علیکم نبیکم
فتهلکوا اجمعیاً وان لا یظهر اهل الباطل علی الحق وان لا تجتمعوا
علی ضلالة۔ (رواہ ابوداؤد)

یعنی میری اُمت کو تین نقصانوں سے خدا نے بچالیا ہے۔ ایک تو نبی ان پر
ایسی بد دعا نہ کرے گا جس سے کل ہلاک ہوں۔ دوم جھوٹے لوگ سچوں پر غالب نہ

ہونگے۔ سوم یہ امت کسی گمراہی پر جمع نہ ہوگی اور کسی برائی پر اتفاق نہ کرینگے۔

حدیث پنجم: عن عمر ابن قیس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ان اللہ وعدنی فی امتی واجارهم من ثلاث لا یعمهم بسنة ولا یستا
صلهم عدوا ولا یجمعهم علی ضلالة (رواہ الدارمی)

یعنی خدا نے وعدہ فرمایا ہے میرے ساتھ کہ یہ اُمت نہ تو قحط سے ہلاک ہوگی
اور نہ ان کو دشمن حق برباد کرے گا اور نہ یہ امت کسی گمراہی پر اجماع کرے گی۔

حدیث ششم: عن ابن ابی بصرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سالت ربی ان لا تجتمع امتی علی ضلالة فاعطانیها (رواہ الطبرانی وغیرہ)

یعنی خدا سے میں نے سوال کیا کہ میری اُمت کبھی کسی گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ سو
خدا نے یہ دعا میری قبول فرمائی اور مجھے میرا مقصد دے دیا۔

حدیث ہفتم: عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان
اللہ لا یجمع هذة الامة علی الضلالة ابدا وان یداللہ علی الجماعة ۔
الحدیث۔ (رواہ ابونعیم)

یعنی یہ امت کبھی کسی گمراہی پر اجماع نہ کرے گی کیونکہ خدا کی مدد و نصرت ان پر ہے

ف: اس حدیث میں لفظ ابداً اور اوپر کی حدیث نمبر ۴، ۵، ۶ میں لفظ ضلالة نے خوب رنگ
لگایا ہے۔ یعنی کبھی وہ وقت نہ آئے گا کہ یہ امت کسی بدکام یا گناہ کے کام پر جماع ہوکر بدکو
نیک کرے۔ چنانچہ آج تک ایسا ہی ہوا۔ مثلاً: رافضیوں کو خارجیوں کو آج تک کسی نے اچھا
نہیں کہا مگر ان کے ہم عقیدہ نے۔ یا قدریہ جبریہ کو کسی نے بھی نیک نہیں کہا یا مرزائی، وہابیوں
نیچریوں کو کسی نے سچا مسلمان نہیں کیا۔ بلکہ فتاویٰ اخراج عن المساجد ان پر جاری ہوئے۔

حدیث ہشتم: عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من

فارق الجماعة فمات میتة جاهلیة ۔(رواہ البخاری)

یعنی جو شخص بڑی جماعت سے الگ ہو گیا پھر مر گیا گویا کفر کی موت کی طرح مر گیا یعنی اہلسنت و جماعت سے جدا ہو کر نیا الگ مذہب نکال کر مر گیا تو کفر کی موت مرا

حدیث نہم: عن الحارث الاشعری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم امرتکم بخمس الجماعة ۔الخ ۔(رواہ احمد والترمذی)

یعنی تم کو امر کرتا ہوں بڑی جماعت کی پیروی کا۔

حدیث دہم: عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من سره ان یسکن بحبوحة الجنة فعلیه بالجماعت فان الشیطان مع الفرد (رواہ مسلم، کذا فی المعالم)

یعنی جس کو یہ بات خوش آئے کہ وہ جنت میں سیر و سکونت حاصل کرے تو وہ شخص بڑی جماعت کی پیروی لازم پکڑے۔ کیونکہ جو شخص الگ ہو گیا اس کا رہبر و رہزن شیطان ہے۔ چنانچہ دیکھ لو مرزا قادیانی اور سید احمد نیچری اور چکڑالوی اور عبدالوہاب نجدی کا کیا برا حال ہوا ہے۔

حدیث یازدہم: عن عبد الله ابن مسعود قال ما راہ المسلمون حسنا فهو عند الله حسن (رواہ الموطا)

یعنی جس بات کو اکثر مسلمان (علماء و صلحاء) نیک خیال کریں وہ خدا کے نزدیک بھی نیک ہی ہے۔

ف: اس حدیث میں لفظ المسلمون ہے جس سے کئی کوتاہ اندیش بے سمجھی سے ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ سو واضح رہے کہ اگرچہ الفاظ اس کے جمع پر دال ہیں اور جمع کثیر و قلیل پر دلالت کرتا ۱؎ ہے۔ کیونکہ اگر اتفاق کل مراد لیں تو یہ نہایت ہی محال ہے کہ احکام

۱؎ مگر مراد کل نہیں بلکہ اکثر ہیں۔

اختلافیہ میں کل امت ۷۲ فرقوں کا اتفاق ہو۔ پھر کیا یہ حدیث ہی معاذ اللہ غلط ہے اگر مراد اس حدیث سے اہلسنت یعنی مقلدین ہیں تو پھر بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو اتفاق ہو گا۔ ان امور میں جو کہ ادلہ شرعیہ سے ثابت و مروی ہیں تو ایسے امور مجمع علیہ میں اتفاق کل امت کی شرط ضرور نہیں کیونکہ ان کا حسن خیریت تو خود ہی شرع شریف سے ثابت ہے۔ پھر ماراہ المومنون حسنا کی قید لغو و بیکار ٹھہری اور اگر وہ امورات متفق علیہ ادلہ شرعیہ ظاہرہ سے خارج ہیں اور وہ امورات اجتہادی یا اختلافی ہیں تو اس میں اماماں دین مختلف ہیں۔ تو اب بتاؤ کہ یہ حدیث کیا جھوٹ ہے۔ معاذ اللہ یا غلط ہے۔ اگر مراد اس سے صرف صحابہ کرام ہی ہیں اور ماعداہم کی نفی ہے تو پھر تمام حدیثوں کی اور کنتم خیر امة اور جعلنا کم امة وسطا و قل یا عبادی وغیرہ کے وہی مصداق و مخاطب ہیں اور عام اہل اسلام ہر دم خارج ہیں۔ علاوہ ازیں احادیث کے لفظوں کی تعمیم بھی یہ نہیں چاہتی اور کوئی قرینہ صارفہ بھی موجود نہیں۔ پھر لطف یہ کہ صحابہ کرام بھی کل امورات پر متفق نہیں ہیں۔ اگر وہ کل پر متفق ہوتے تو آئمہ اربعہ کا اختلاف صدہا مسائل میں کیوں ہوتا اور اختلاف آئمہ کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ اصل صحابہ کرام کی روایات و آثار میں ہی اختلاف تھا تو آئمہ بھی مختلف ہوئے۔ پھر اب فرماؤ کہ حدیث نے کیا کام دیا۔ البتہ ہماری تقریر کے رو سے حدیث بھی درست اور آیات کے معنی بھی درست ہوں گے۔ یعنی المسلمون سے مراد اکثر العلماء المسلمین ہے جیسا کہ حدیث اول کے تحت میں ہم لکھ آئے ہیں۔ اگر صحابہ کے وقت ہو تو اکثر صحابہ اگر بعد کے لوگ ہوں تو اکثر علماء صلحاء اسلام مراد ہیں اور اکثر اہل اسلام میں جہلاء و حمقاء بھی مراد نہیں کیونکہ مسائل شرعیہ کی صحت و تصحیح یا حسن و قبح دیکھنا یہ کام علماء کا ہے۔ معلیوں کا اس میں کچھ دخل نہیں۔

حدیث دوازدہم: لا یعتقد قلب مسلم علی ثلث خصال الا دخل الجنة.

قال قلت ما هی قال اخلاص العمل والنصیحة لو لاة الامرولزوم الجماعة (رواہ الدارمی)

یعنی جس نے تین خصلتیں اختیار کیں وہ بہشتی ہے۔ بے ریا عمل کرنا، حکام وقت کی خیر خواہی، اتباع جماعت کثیر۔

حدیث سیزدہم: من اتاکم وامرکم جمیع برجل واحد یرید ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم۔ (رواہ مسلم)

یعنی جو کوئی تمہارے پاس آیا اس حال میں کہ تم ایک شخص کے مامور (مقلد) ہوئے ہو۔ پھر وہ شخص تمہاری جماعت کو توڑے اور تفرقہ ڈال کر اس امام واحد کی اطاعت سے باہر کرنا چاہے تو اس کو قتل کر ڈالو۔

ف: اس حدیث امرکم برجل واحد سے تقلید شخصی صاف ثابت ہے۔

حدیث چہاردہم: ستکون بعدی هنات فمن رایتموه فارق الجماعة او یرید ان یفرق امة محمد کان فاقتلوه۔ (رواہ مسلم کذافی جامع الاصول)

یعنی قریب ہے کہ کئی فرقے پیدا ہونگے میرے بعد سو جس کو دیکھو کہ وہ بڑی جماعت سے نکل گیا یا امت، مرحومہ میں تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے تو اس کو قتل کر ڈالو۔

ف: قتل وحد لگانا حکام کا کام ہے نہ عام رعایا کا۔ البتہ امیر کابل نے ان حدیثوں پر عمل کر کے چند مرزائیوں کو قتل کر کے اپنے ملک کو پاک کر دیا ہے۔ علیٰ ہذا شیر علی خان کے وقت بھی وہابیوں کو غزنی سے نکال دیا گیا ہے اور رافضیوں کو بھی نکال دیا تھا۔ مگر یہ بڑی حاکم غیرت مند دینی خیر خواہ کا کام ہے نہ کسی ایسے ویسے کا۔

حدیث پانزدہم: عن عبد الله ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله

علیه وسلم مثل المنافق کمثل الشاة العائرة تعرالی هذا مرة والی هذا مرة۔ (رواہ مسلم)

یعنی منافق کی مثال اس بکری کی ہے جو دو ریوڑوں کی سیر کرتی ہے کبھی ادھر آملتی ہے کبھی اُدھر جا لگتی ہے۔

ف: یہ اس شخص پر صادق ہے جو کبھی حنفیوں میں ملا کبھی شافعیوں میں جا گھسا۔ ایک کا مقلد اس وعید سے بچ گیا۔

حدیث شانزدہم: عن عبد الله قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یحل دم امرء مسلم یشهد ان لا اله الا الله وانی رسول الله الا باحدی ثلث الثیب الزانی والنفس بالنفس والتارک لدینه المفارق للجماعة۔ (رواہ مسلم والدارمی)

یعنی تین آدمی کا قتل کرنا حلال ہے ان میں سے وہ بھی ایک ہے جو جماعت سے الگ ہو گیا اور تارک جماعت کو تارک دین بھی کہا گیا ہے۔ (اس حدیث کی تفصیل شرح مسلم امام نووی میں دیکھو) اور تقلید آئمہ دین کو بھی دین کہا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث بستم میں ذکر آتا ہے پس تارک تقلید گویا تارک دین ہے۔

حدیث ہفتدہم: انتم شهداء الله فی الارض (رواہ البخاری ومسلم)

یعنی اے لوگو تم خدا کے گواہ ہو زمین میں۔

ف: یعنی تم جو گواہی دو گے اور جیسا فیصلہ کرو گے خدا کے نزدیک بھی ویسا ہی ہو گا۔ چنانچہ آیت وجعلناکم امة وسطا لتکونوا شهداء۔ اور حدیث مارآه المسلمون حسناً کی تفسیر وتائید اس صحیح حدیث سے ہو گئی۔ اب حدیث نمبر ۱۱ کے

متعلق کوئی خدشہ نہ رہا مگر یہ گواہی علماء حاذقین و اولیاء کاملین کا کام ہے نہ جہلا و
مرزائیین وغیرہم کا۔

حدیث ہشتدہم: اخرج ابن مردویہ عن انس قال سمعت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الرجل یصلی و یصوم ویحج و یغزو وانہ
المنافق قیل یا رسول اللہ بماذا دخل علیہ النفاق قال لطعنہ علی امامہ و
امامہ من قال اللہ فی کتابہ فاسئلوا اھل الذکر انکنتم لا تعلمون۔

یعنی بتحقیق آدمی کوئی نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، حج کرتا ہے، جہاد کرتا ہے
حالانکہ وہ منافق ہے۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس میں کس طرح نفاق آگیا تو
فرمایا اپنے امام پر طعن کرنے کے سبب سے اور امام سے مراد اہل ذکر ہے۔

ف: حدیث اس کے حق میں ہے جو کہے کہ میں حنفی ہوں۔ پھر حضرت امام اعظم رضی اللہ
عنہ کے مسائل کو غلط اور خلاف قرآن وحدیث بیان کرے اور لوگوں میں وہ مسائل عام
طور پر شائع کرے۔

حدیث نوزدہم: عن حذیفۃ قال قلت ھل شر بعد ذالک الخیر قال نعم
دعاۃ علی ابواب جھنم من اجابھم الیھا قذفوہ فیھا قلت یا رسول اللہ صفھم
لنا قال ھم من جلدتنا و یتکلمون بالسنتنا قال فما تامرنی ان ادرکنی ذالک
قال تلزم جماعۃ المسلمین و امامھم۔ (الحدیث، البخاری والمسلم)

یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اس زمانہ خیر کے بعد کیا کوئی
زمانہ شر آئے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ دوزخ کے دروازہ پر بلانے والے کھڑے ہیں جو
ان کی بات کو قبول کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا۔ پھر عرض کیا کہ کچھ ان کی علامت

فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہماری قوم وملت سے ہی ہونگے اور ہماری زبان سے
(قرآن وحدیث) باتیں کریں گے پھر صحابی نے عرض کی کہ اگر ایسا زمانہ میرے سامنے
آجائے تو کیا کریں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ لازم ہے تم پر پیروی بڑی جماعت کی
اور وہ جماعت بھی ایسی ہو کہ امام ان کا ہو۔

ف: اس حدیث میں آپ نے کس بلاغت وملاحت سے سمجھایا کہ مطلقاً کہیں لفظ
جماعت پر نہ مر جائیں۔ کیونکہ لفظ جماعت اقل درجہ تین چار پر صادق آجاتا ہے۔ ایسا نہ
ہو کہ تین چار وہابی یا مرزائی وغیرہ مل کر بولیں کہ ہماری بھی جماعت ہے اور حالانکہ نہ ان
کا کوئی امام نہ حدیث کا یہ مطلب ہے۔ نہیں تو ہر اک جماعت قلیل ہو یا کثیر اقل ہو یا اکثر
سب حق پر مسلم ہوں گے اور حالانکہ شارع علیہ السلام کی یہ مراد ہی نہیں۔

حدیث بستم: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ قلنا
لمن قال للہ ولرسولہ ولکتابہ ولائمۃ للمسلمین وعامتھم۔ (رواہ مسلم)

یعنی دین نام ہے خیر خواہی کا صحابہ نے پوچھا کس کی خیر خواہی۔ آپ نے فرمایا
خدا کی یعنی اس پر ایمان لانا اور قرآن کی تعظیم وتکریم کرنا اور پیغمبر برحق کی اطاعت صدق
دل سے کرنا اور اماموں کی خیر خواہی۔ یعنی ان کی تقلید کرنا ان پر بدظنی نہ کرنا اور عام کی
خیر خواہی یہ کہ ان کی بھلائی اور بہتری کی باتیں سوچنا، بیان کرنا، سنانا۔ امام نووی شافعی
شرح مسلم جلد اول ص ۵۴ میں بذیل جملہ لائمۃ المسلمین لکھتے ہیں۔

ان من نصیحتھم قبول ماروَوہ و تقلیدھم فی الاحکام و
احسان الظن بھم۔ الخ۔

یعنی اماموں کے واسطے خیر خواہی کے معنی یہ ہے کہ ان کی تقلید کر کے ان کے
حکموں پر اپنا عمل درآمد رکھنا۔

ف: اس حدیث سے جس طرح خدا اور پیغمبر اور کتاب پر ایمان لانا دین ہے اسی طرح

تقلید امام بھی دین ہے۔ اب اس کو شرک کہنے والا کیا ہوا اور صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ جس طرح اور باتوں کا تارک (جو حدیث بالا میں درج ہیں) بے دین ہے اسی طرح تقلید کا منکر بھی بے دین ہے۔ اے غیر مقلدین آپ اہلحدیث بنتے تھے۔ افسوس کہ حدیث نے بھی آپ کو مردود کر دیا۔ اب اہل قرآن[1] بنو۔

حدیث بست و یکم: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن الامر یحدث لیس فی کتاب ولا فی سنة فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینظر فیہ العابدون من المومنین و فی روایة فلیقض بما قضےٰ بہ الصالحون و فی روایة فیما علیہ المسلمون۔ (الحدیث، رواہ الدارمی)

یعنی عرض کیا گیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ جو چیز نئی (بدعت) پیدا ہو اور اس کا ذکر قرآن و حدیث میں بھی نہ ہو اس کو کیا کیا جائے۔ یعنی وہ ممنوع ہے یا مامور و جائز ہے۔ آپ نے فرمایا اس بدعت پر نظر کرنا غور و فکر کرنا سوچنا عابدین و بزرگان دین کا منصب و کام ہے اور جب وہ غور و نظر سے اس کا کچھ حکم جائز و ناجائز فرما دیں تو پھر بما قضےٰ بہ الصالحون کے موافق فیصلہ کرے اور اس پر عمل کرے یا جس پر جماعت اہل اسلام کثیر قائم و قائل ہیں اس پر عمل کرے۔

ف: اس حدیث سے صاف فیصلہ ہو گیا اور صدہا امورات طے ہو گئے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ جو بدعت عند العلماء والصلحاء حسنہ ہے اس کے کرنے سے ثواب ہے اور جو بدعت اہل اللہ و متقین کے نزدیک قبیح ہے اس کا کرنا باعث معصیت ہے کیونکہ بدعت حسنہ بھی ایک قسم کی سنت حسنہ یا ملحق بالسنت ہے۔ اب بعض جاہلوں کا یہ خیال ٹوٹ گیا کہ بدعت بہر حال بدعت سیئہ ہے کسی وجہ سے حسنہ نہیں بن سکتی پس جبکہ جماعت کی متابعت

[1]: تیرہ سو سال سے کل مسلمان اہلسنت تھے پھر غیر مقلدین نے حسد و بغض سے اپنا نام اہلحدیث رکھا اور ایک فرقہ ان سے بڑھ گیا اس نے اپنا نام اہل قرآن رکھا۔

واجب ہوئی اور اتباع کثرت امت سے اتباع سنت نبوی حاصل ہوئی تو متبع جماعت کثیر کا نام فرقہ اہلسنت ہو، جس کے بہشتی ہونے کی خبر بارہا حدیثوں میں وارد ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہے۔

حدیث بست و دوم: ان نبی اسرائیل تفرقت علی اثنان و سبعین فرقة و ستفترق امتی علی ثلاث و سبعین ملة کلھم فی النار الاملة واحدة قالوا من ھی قال ما انا علیہ و اصحابی وفی روایة واحدة فی الجنة و ھی الجماعة۔ (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی)

یعنی امت محمدیہ ۷۳ فرقوں پر منقسم ہو گی ان میں سے ایک فرقہ بہشتی ہے اور باقی کل دوزخی اور علامت اس بہشتی فرقہ کی یہ ہے کہ من حیث العقائد والاصول تو وہ ایک جماعت ہے اور من حیث الاعمال والاقوال متبع سنت ہے۔ نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ فرقہ اہلسنت والجماعت جنتی ہے۔ کیونکہ اقوال و افعال نبویہ اور آثار صحابہ کو سنت کہتے ہیں اور بہمہ وجوہ یکسو ہو کر اصول اسلامیہ و عقائد حقہ پر عمل کرنے سے صورت و ہیئت مجموعی حاصل ہوتی ہے جس سے جماعت کی شکل پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے فرقہ ناجیہ کا نام اہلسنت والجماعت ہوا۔ اب یہ بات قابل غور ہے کہ آج کل بھی وہ فرقہ ناجیہ موجود ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کون سا فرقہ ہے۔ سو حضرات علماء دین کی تحریرات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ سوائے مقلدین مذاہب اربعہ کے اور کوئی بھی فرقہ ناجیہ نہیں ہو سکتا۔

اوّل: علامہ عصر یگانہ دہر سید احمد صاحب طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ در مختار کتاب الذبائح میں لکھتے ہیں:

قال بعض المفسرین فعلیکم یا معشر المسلمین باتباع الفرقة الناجیة المسماة باھل السنة والجماعة فان نصرة اللہ و توفیقہ

فی موافقتھم و خذ لانه و سخطه فی مخالفتھم و ھذہ الطائفة الناجیة قد اجتمعت الیوم فی المذاھب الاربعة ھم الحنفیون المالکیون والشافعیون والحنبلیون ومن کان خارجاً من ھذہ المذاھب فی ذالک الزمان فھو من اھل البدعة والنار

یعنی کہا بعض مفسرین نے کہ اس زمانہ میں فرقہ مقلدین اہلسنّت وجماعت ہے سب مسلمان ان کی پیروی لازم پکڑیں۔ بلاشک خدا کی مدد اور توفیق فرقہ مقلدین کی موافقت ومتابعت میں ہے اور وبال وخسران ان کی مخالفت میں ہے۔ پس جو شخص مقلدین سے خارج ہو گیا وہ مردود وبدعتی ودوزخی ہے۔ اللھم ثبتنا علی مذھب ابی حنیفة۔

دوم: علامۂ زمان فہامۂ وقت قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتی تفسیر مظہری میں تحریر فرماتے ہیں:

فان اھل السنة والجماعة قد افترقت بعد القرون الثلثة او الاربعة علی اربعة مذاھب ولم یبق فی الفروع سواء ھذہ المذاھب الاربعة ۔ الخ۔

یعنی چار مذاہب کے متبعین کا نام اہلسنّت والجماعت ہے۔ پس جو مقلد نہیں وہ خارج از اہلسنّت وجماعت ہے۔

سوم: قال العلامة ابن حجر المکی الشافعی فی فتح المعین شرح الاربعین فی شرح الحدیث الثامن والعشرین . اما فی زماننا فقال بعض الائمة لایجوز تقلید غیر الائمة الاربعة لان ھولاء عرفت قواعد مذاھبھم واستقرت احکامھم و قدتابعوھم و حرروھا فرعاً فرعاً و حکما حکما ان لا یوجد حکم الا وھو منصوص لھم اجمالا و تفصیلاً

یعنی امامانِ دین نے فرمایا کہ چار مذہبوں کے سوا اور کسی کی تقلید ضروری نہیں بلکہ جائز نہیں کیونکہ ان چار اماموں کی تحقیقات میں کل مسائل اصولی واعتقادی وفروعی واختلافی

داخل وشامل ہو گئے ہیں اور مضبوط ومنضبط مفصل ومجمل تمام قلم بند کر کے شائع کر دیئے ہیں اب کوئی مسئلہ بھی باہر نہیں۔ الاشاذ ونادر اور اماموں کے مسائل کل ادلہ شرعیہ سے مدلل ہیں۔

چہارم: فارض لنفسک ما رضی به القوم لا نفسھم فانھم علی علم قد وقفوا و ببصرنا قد کفوا و لھم علی کشف الامور کانوا اقوای و بفضل ما کانوا فیه اولی فان کان الھدی ما انتم علیه لقد سبقتموھم الیه مع انھم ھم السابقون ولئن قلتم فلم انزل اللہ ایة کذا و لم قال کذا یعنی اعتراضا علی السلف فنقول قرؤا منه وعلموا من تاویله ما جھلتم ۔ الخ۔ (کذا فی ابوداؤد)

یعنی جن امور پر قوم (اہل علم) راضی ہو تو بھی اس پر راضی ہو کیونکہ وہ لوگ تم سے علم وفہم وصلاحیت وخیریت میں اقدم واسبق وافضل ہیں۔

پنجم: صاحب بحر الرائق نے اشباہ سے نقل کیا ہے:

ماخالف الائمة الاربعة فھو مخالف للاجماع وان کان فیه لغیرھم ۔ الخ۔

یعنی جس نے چار اماموں کی مخالفت کی وہ اجماع کا مخالف ہے۔ پس مخالف اجماع کا منکر ومردود ہے۔

ششم: علامہ دہر سید سمہودی عقد الفرید میں لکھتے ہیں:

وقال المحقق الحنفیة الکمال ابن الھمام رحمة اللہ علیه نقل الامام الرازی اجماع المحققین علی منع العوام من اعیان الصحابة بل یقلدون من بعد ھم الذین سیروا ووضعوا و دونوا ۔

ہفتم: مسلم الثبوت میں ہے:

اجمع المحققون علی منع العوام من تقلید الصحابة بل یقلدون الذین سیروا وبوبوا وھذبوا و نقحوا و عللوا و فرقوا و

فصلوا و عليه ابتنى ابن الصلاح منع تقليد غير الائمة لان ذالك لم يدرفي غيرهم ۔الخ

یعنی خلاصہ ہر دو عبارات کا یہ ہے کہ عام کو یعنی غیر از مجتہد کو تقلید صحابہ اور خارج از چار مذاہب کے تقلید سے روک دیا جائے اور مجتہدین اربعہ کی تقلید پر کھڑا کیا جائے۔ کیونکہ ان کی تحقیق وتصدیق کافی ووافی ہے۔

ہشتم: امام استوائی شرح منہاج الاصول میں (جو قاضی بیضاوی کی ہے) لکھتے ہیں:

قال الامام الحرمين فى البرهان اجمع المحققون على ان العوام ليس لهم ان يعملوا بمذاهب الصحابة بل عليهم ان يتبعوا بمذاهب الائمة ۔الخ

یعنی اہل تحقیق نے اس پر اجماع کیا ہے کہ عام (غیر از مجتہد) کو لائق نہیں کہ صحابہ کرام کی تقلید کرے بلکہ اس پر لازم ہے کہ مجتہدین کے مذاہب پر چلے۔ (تنویر الحق)

نہم: شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی عقد الجید میں لکھتے ہیں:

اعلم ان الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة وفى الاعراض عنها مفسدة كبيرة و نحن نبين بوجوه ۔الخ

یعنی جان تو کہ مذاہب اربعہ کی تقلید میں بڑی بڑی مصلحتیں ہیں اور مذہب سے روگردانی وسرکشی کرنے میں بہت فسادات ہیں۔

دہم: حضرت امام ملا علی قاری رسالہ تشییع الفقہا میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام کے وقت میں کوئی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا متبع تھا۔ کوئی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا پیرو تھا یا بعض امور میں ان کا بعض میں ان کا سو اس کی وجہ یہ تھی کہ اصول صحابہ چونکہ کافی طور پر مرتب و مدون نہ تھے۔ لہذا وہ تشفی وتسلی بخش نہ ہوئے کیونکہ ان کو مہمات جہاد اور فتوحات ملکی سے فراغت نہ تھی۔

دوم یہ کہ چونکہ وہ خود بھی عالم حدیث و واقف اسرار نبوت تھے اور علوم حق کی اشاعت دور دراز تک ہو چکی تھی اور آفتاب نبوت کی روشنی اکثر کے دلوں پر کامل تھی اور جو جو عبادات و معاملات و حالات کے طریق ضروری تھے۔ وہ صحابہ کرام نے خود حضور علیہ السلام سے دیکھ کر پوچھ کر سیکھ لئے تھے۔ لہذا ان کو جملہ احکام و امورات میں ایک ہی شخص معین کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔

واما فى زماننا فمذاهب [1] الائمة كافية لمعرفة الكل فانه فما من واقعة تقع الا ونجدها فى مذهب الشافعى او غيره نصاً او تخريجاً فلا ضرورة الى اتباع الامامين ۔الخ

پس اس زمانہ میں ہر اک مذہب میں اصولی و فروعی مسائل کافی وافی موجود ہیں لہذا دو اماموں کی تقلید کی ضرورت نہ رہی۔ پس حضرات محققین کی تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ اہلسنت و جماعت سے مراد مقلدین ائمہ اربعہ ہیں تو حدیث مذکورہ نمبر ۲۲ کے مصداق فرقہ ناجیہ مقلدین ہیں۔

اب ناظرین کو پھر متوجہ کرتا ہوں کہ آپ حدیث نمبر ۲۲ پر غور و خوض کر کے دیکھیں کہ کئی امور نکلے۔

(۱) مذہب اہلسنت والجماعت (مقلدین) حق ہے یقیناً اور واجب الاعتقاد ہے صدقاً

(۲) دیگر مذاہب جو خارج از اہلسنت (مقلدین) ہیں۔ وہ قطعاً باطل و عاطل و موجب ضلال ہیں۔

(۳) تمام روئے زمین میں یہی ایک فرقہ ناجی و مذہب حق کہلانے کا حق دار ہے۔

(۴) سوائے فرقہ اہلسنت (مقلدین) کے اور سب فرقوں کو دوزخی سمجھنا لازمی ہے

[1] قد اجتمعت الامة اومن يعتمد به منها على جواز التقليد الى يومنا هذا. الخ (حجۃ اللہ البالغہ)

(۵) جو شخص مذہب اہلسنّت کو حق اور دیگر باقی مذاہب کو غلط نہ جانے وہ حدیث مذکورہ نمبر ۲۲ کا مخالف ہے۔

(۶) اقوال وافعال نبویہ وآثار صحابہ کا نام سنت ہے اور کثرت اتفاق اعتقاداً وعملاً کا نام جماعت ہے۔ اس لئے اس فرقہ مقلدین کا نام اہلسنّت ہوا۔

(۷) صرف امت محمدیہ ﷺ میں شامل ہونے سے فرقہ ناجیہ نہیں کہلا سکتا۔

(۸) علماء صلحاء کے نزدیک مقلدین ہی فرقہ ناجیہ ہیں نہ کوئی اور۔

(۹) ہر اک مخالف اہلسنّت جیسا مرزائی، وہابی، چکڑالوی، نیچری، رافضی، خارجی وغیرہم فرقہ ناجیہ سے خارج ہیں۔

(۱۰) مخالف مقلدین کے قول وفعل وعقیدہ پر اپنا عملی واعتقادی دارومدار رکھنا ان کو دینی پیشوا خیال کرنا اور نماز کا امام بنانا گویا خود دوزخی بننا ہے۔

(۱۱) جو شخص سنت نبویہ کو عمل میں لائے اور سنت صحابہ کو ترک کرے تو وہ فرقہ سے خارج ہے۔

(۱۲) سنت نبویہ وآثار صحابہ کے ناقل وقائل ومحقق وعامل حضرات مجتہدین ہیں اور حضرات مجتہدین کی تحقیقات وتصدیقات کے متبع کامل فرقہ مقلدین ہی ہے لہذا یہی فرقہ ناجیہ ہے۔

(۱۳) جملہ مذاہب کے احکام وعقائد واعمال کی سیر کرنا اور ہر اک مجتہد کے اجتہادی تحقیق سے کچھ کچھ چن چن کر عمل میں لانا اور اردو ترجمہ قرآن یا تفسیر محمدی پڑھ کر مجتہدین کی غلطیاں پکڑنا، طعن کرنا، دوزخی فرقہ کی علامت ہے۔ غرضکہ مخالف اہلسنّت وجماعت کا خواہ کوئی ہو وہ فرقہ [1] ناریہ میں داخل ہے کیونکہ آیات واحادیث واجماع کے مخالف ہے حالانکہ آیات واحادیث سے سبیل المومنین وسواد اعظم کی اتباع واجب ہے اور اس

[1] الجماعۃ رحمۃ والفرقۃ عذاب۔ کنز العمال جلد ۴، حدیث ۲۵۶۱۔

زمانہ میں سبیل المومنین وسواد اعظم سے مراد فرقہ اہلسنّت والجماعت (مقلدین) ہیں نہ کوئی اور۔ چنانچہ دیکھو (رسالہ عقد الجید مصنفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، باب دوم)

اور یہ سب لوگ تقلید شخصی کو واجب مانتے ہیں اور خود بھی مقلد ہی رہے۔ کوئی صوفی یا اہل طریقت، کوئی محدث یا مفسر، کوئی غیر مقلد وبے پیر نہ تھا بلکہ سب لوگ مقلد وباپیر تھے۔ امام بخاری شافعی، امام ترمذی شافعی، دارقطنی شافعی، امام غزالی شافعی، امام رازی شافعی، امام نووی شارح مسلم شافعی، امام قسطلانی شارح بخاری شافعی، امام جلال الدین شافعی، امام بدرالدین عینی شارح بخاری حنفی، امام ابن الہمام حنفی، امام ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ حنفی، حضرت شیخ عبدالحق محدث شارح مشکوٰۃ حنفی، نواب قطب الدین شارح مشکوٰۃ حنفی، شاہ ولی اللہ محدث حنفی، شاہ عبدالرحیم حنفی، شاہ اہل اللہ حنفی، شاہ عبدالعزیز صاحب محدث حنفی، امام طحاوی حنفی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی حنفی، صاحب در مختار ورد المحتار حنفی، صاحب بحر الرائق حنفی، صاحب فتاویٰ خیریہ حنفی، حضرت پیر دستگیر غوث اعظم حنبلی، امام شعرانی مالکی، ابن حجر مالکی، امام ابن الحاج مالکی، صاحب تفسیر بیضاوی شافعی، صاحب تفسیر معالم شافعی، صاحب تفسیر مدارک حنفی، صاحب تفسیر حسینی حنفی، صاحب تفسیر روحی حنفی، صاحب تفسیر کلیمی حنفی، صاحب سفر السعادت شافعی، حضرت مولانا جامی حنفی، غرضکہ کل محدثین ومفسرین مقلد تھے اور کل اہل طریقت یعنی حضرات نقشبندیہ وقادریہ وچشتیہ وسہروردیہ ومثلہم کروڑ در کروڑ سابقین اور زمانہ حال کے سب کے سب مقلدین ہی ہیں اور سب وجوب کے قائل اور قولاً وفعلاً سب کا اتفاق ہے۔ پھر ایسے ایسے اکابرین وسلف صالحین کو مشرک وبدعتی کہنا کسی مسلمان کا کام نہیں۔ سوائے وہابی، مرزائی، نیچری کے۔ خداوند کریم سب کو مقلد بنائے۔ آمین۔ اللھم ثبتنا علی مذھب ابی حنیفة۔

....

پانچویں دلیل وجوب تقلید پر

قال اللہ تعالی :فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ط

(پارہ ۱۴، سورہ نحل، آیت ۴۳)

یعنی جس بات کا جاہلوں کو علم نہیں اس کا اہل ذکر سے سوال کر کے علم حاصل کریں۔اس آیت میں تین امر غور طلب ہیں۔

(۱) سوال کرنا (۲) اہل ذکر سے نہ ہر اک سے (۳) بحالت جہالت

پس اب خیال کریں کہ سائل کو جب قرآن و حدیث سے کوئی مسئلہ نہ ملے تو بہر حال کسی نہ کسی مجتہد سے (جس کا اتباع واجب ہے) سوال کرنا فرض ہے۔پس جب اہل ذکر سے سوال کیا تو دو حال سے خالی نہیں یا تو جواب سن کر قبول کر کے تعمیل کرے گا یا منکر اولی الامر ہوگا۔تو اگر جواب سن کر عمل کیا تو مقلد ہوا اور ایمانداروں میں مل گیا۔اگر نہ پوچھا یا جواب قبول نہ کیا یا اس کے خلاف کیا تو منکر و مخالف بن کر غیر مقلدین وغیرہ میں مل گیا۔انا للہ ط اور اہل ذکر کی تفسیر خود حضور علیہ السلام نے فرمائی ہے۔یعنی اہل ذکر بھی اولی الامر ہی ہے کیونکہ اہل ذکر حدیث شریف میں دین کے امام کو کہا گیا ہے اور دین کے امام کو اولی الامر بھی کہا گیا ہے۔تو ثابت ہوا کہ اہل ذکر و اولی الامر ایک ہی ہے۔چنانچہ وہ حدیث یہ ہے

اخرج ابن مردویہ عن انس قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الرجل یصلی و یصوم ویحج و یغزو وانہ المناق قیل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بما ذا دخل علیہ النفاق قال لطعنہ علی امامہ و امامہ اھل الذکر (الآیۃ)

یعنی جو آدمی اپنے امام پر طعن کرے وہ منافق ہے۔اگر چہ نماز روزہ وغیرہ کا پابند ہو اور امام اس کا اہل ذکر ہے۔

امام ابو المنصور ماتریدی اپنی کتاب تاویلات الامام میں بذیل آیت مذکورہ فرماتے ہیں:

ھذا الامر بالسوال ای سلوا اھل الذکر و قلدوھم ان کان لابد من تقلید فقلدوا اھل الذکر واسئلوا عنھم ۔الخ

یعنی اہل ذکر سے سوال کر کے ان کے حکم کی تقلید کرو۔یہاں پر لفظ اہل علم مناسب تھا پھر کیا وجہ اہل ذکر فرمایا تو بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل علم میں تو اعلیٰ سے ادنیٰ تک یہاں تک کہ نجات المومنین یا تفسیر ثنائی پڑھ کر بھی قدم نکال سکتا ہے۔مگر اہل ذکر کا اطلاق ایسا عام نہیں بلکہ اہل ذکر سے وہی مراد ہے جن کو اولی الالباب والابصار کہا گیا ہے

وما یذکر الا اولوا الالباب (پارہ ۳، سورۃ آل عمران آیت ۷)

انما یتذکر اولوا الالباب ط (پارہ ۱۳، سورۃ الرعد، آیت ۱۹)

فاعتبروا یا اولی الابصار ط (پارہ ۲۸، سورۃ حشر، آیت ۲)

اس تیسری آیت کی تفسیر اگر ضرورت ہو تو تفسیر بیضاوی جلد دوم صفحہ ۳۵۷ اور تفسیر کبیر جلد ہشتم صفحہ ۱۷۴ اور تفسیر مدارک جلد دوم صفحہ ۱۷۵ میں ملاحظہ کریں۔ان تفسیروں میں آیت مذکورہ سے قیاس کو دلیل شرعی ٹھہرایا ہے۔پس ثابت ہوا کہ اہل ذکر اولی الابصار سے مراد مجتہدین ہیں اور آیت مذکورہ نمبر ۵ میں دو شخصوں کا ذکر ہے۔اس مضمون کو اس آیت میں اور طرح پر بیان فرمایا ہے۔

حکایۃ عن اھل النار : قالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر ۔(پارہ ۲۹، سورۃ ملک، آیت ۱۰)

دوزخی کہیں گے کہ کاش اگر ہم اہل ذکر اہل عقل کی باتیں سن کر عمل کرتے یا خود ایسی عقل و سمجھ ہوتی تو آج دوزخ میں کیوں جاتے۔چونکہ انسان دو حال سے خالی نہیں۔

یا عالم ہے یا جاہل۔ اگر عالم ہے تو اس پر علم کی اتباع فرض ہے۔ اگر جاہل ہے تو عالم کی تقلید فرض ہے اور سائل بے علم کا کوئی حق نہیں کہ اپنے امام کے ساتھ مجادلہ و مقابلہ کرے۔ کیونکہ یہ جاہل صرف مامور ہے سوال کر کے اتباع کرنے پر نہ تنازع و مجادلہ پر۔ اور جاہل کے بالمقابل اگرچہ عالم کا لفظ ہے لیکن عالم سے مطلقاً مراد اہل ذکر ہیں اور اہل ذکر مجتہد ہے جو کہ جامع ہے مسائل اصولیہ و اعتقادیہ و فرعیہ کا۔ اگر بلوغ المرام یا چند آیتیں یاد کر کے مفتی قاضی بننے کا شوق ہے، آئمہ مجتہدین کی ہمسری مقصود ہے تو یہ اور بات ہے۔ مگر شرع شریف میں ایسے ایسے لوگوں کا خیال یا رائے مردود و باطل ہے۔ چنانچہ یہ حدیثیں اس پر دال ہیں۔

من قال فی القرآن برایه فاصاب فقد اخطا (رواہ الترمذی وابوداؤد)

یعنی جس نے اپنی رائے سے قرآن میں کچھ کہا پھر وہ صواب پر بھی ہے پس تحقیق اس نے قصداً خطا کی۔

من فسر القرآن برایه فلیتبوا مقعده فی النار۔ (رواہ ابوداؤد)

یعنی جس نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی پس بے شک اس نے تیار کیا اپنا گھر دوزخ میں۔

من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوا من النار۔ (رواہ الترمذی)

یعنی جس نے قرآن میں کچھ کہا حالانکہ اس کو علم بھی نہیں۔ پس اس نے دوزخ میں اپنا گھر بنایا۔

اذا لم یبق عالما اتخذوا الناس رؤسا جهالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا (متفق علیہ)

یعنی قیامت کی علامت ہے کہ رئیس لوگ مفتی کہلائیں گے۔ حالانکہ بے علم

ہوں گے اور جاہل عالم کو مفتی نہیں بنائیں گے بلکہ دنیاداروں مالداروں کو مفتی سمجھ کر ان سے مسئلے پوچھ پوچھ کر عمل کریں گے۔ پس وہ خود بھی گمراہ ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

من افتی بغیر علم کان اثمه علی من افتاه۔ (الحدیث، رواہ ابوداؤد)

یعنی جسے بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا پس جو گناہ اس فتویٰ کے ذریعہ جاری ہو گا اس کا وبال اس مفتی بے علم پر ہے۔

یہ حدیثیں اگرچہ عام طور پر دال ہیں لیکن مجتہدین کے بالمقابل غیر مجتہد بمنزلہ بے علم ہی ہے۔ پس مجتہدین کو چھوڑ کر معمولی لوگوں کے اقوال پر عمل کرانا یا کرنا قصداً وہ ان حدیثوں کا مصداق ہے۔ باقی تشریح احادیث مذکورہ کی مرقات و لمعات وغیرہ میں دیکھ لیں۔ پس قرآن کے تفسیر و معانی جب تک آئمہ دین سے مروی نہ ہوں تب تک وہ تفسیر مقبول نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سید احمد خاں نیچری پر۔ مرزا قادیانی پر۔ ثناء اللہ امرتسری پر بوجہ غلط و تفسیر بالرای کے باعث کفر و زندقہ، الحاد و مبتدعہ کے فتاویٰ لگ گئے۔ کیونکہ ان کی تفسیریں خلاف اہلسنت و جماعت ہیں۔ ان کی تفسیروں کا منشاء وہی ہے کہ حدیث کچھ نہیں حدیث کی ضرورت نہیں، کیونکہ جب قرآن ہر جگہ اپنی خود تفسیر کرتا ہے تو پھر حدیث کی کیا ضرورت ہے۔ پہلے پہل جب حضرات اہلسنت تفسیروں میں حضرات اہل اللہ و آئمہ مجتہدین کے اقوال سے استدلال کرتے تو غیر مقلدین بولتے تھے کہ نہیں جو تفسیر صحابہ سے مروی ہو وہ مقبول ہے۔ باقی کسی کی حجت نہیں۔ پھر جب مقلدین نے صحابہ کرام سے تفسیریں روایت کیں تو غیر مقلدین نے کہا کہ قول صحابہ حجت ہی نہیں۔ خود حضور علیہ السلام سے جو مروی ہو وہ صحیح ہے۔ پھر جب نیچری علی گڑھ ہی نے خود اپنی رائے و خیال سے غلط تفسیر لکھنی شروع کی تو غیر مقلدین وغیرہ کے منہ میں پانی بھر آیا کہ ہیں یہ انگریزی خوان دینی علوم سے ناواقف اس نے اپنی رائے سے تفسیر لکھی تو کیا ہم

اس سے بھی سیاہ دل ہیں۔ اس کو کسی نے کیا کرلیا جو ہم کو کریں گے۔ تو مرزا قادیانی کو اور تو کچھ علم وعقل نہ تھا۔ اس نے صرف الہام بازی وڈھکوسلہ سازی سے کام لیا۔ چکڑالوی نے صرف اپنے خیال پروبال سے سلسلہ نیا شروع کیا۔ ثناء اللہ وغیرہ نے دیکھا کہ اوہو یہ تو ہمارا حق تھا اور یہ چھین کرلے گئے۔ پھر اس نے بھی چکڑالوی کی سنت کو اختیار کیا۔ بس پھر کیا تھا بے چارے کی شامت آگئی۔ بڑے بڑے ڈبل فتاوؤں سے کچل دیا گیا۔ ہاں مولوی ثناء اللہ پر یہ زیادہ ظلم اظلم ہوا کہ اس کے ہم قوم وہم عقیدہ وہم مشرب فرقہ۔ مثلاً محمد حسین بٹالوی ومولوی احمد اللہ امرتسری اور جماعت غزنویہ اور حکیم عبدالحق دینا نگری وغیرہم نے ثناء اللہ کی تفسیر پر سخت سخت فتاوئی لکھ دیئے۔ یہ کیا سبب۔ صرف وجہ یہ کہ اس نے سخت بے ادبی امام العالم امام اعظم رضی اللہ عنہ کی کی اور در پردہ توہین بھی کی

ع...... بے ادب محروم شد از فضل رب

ہر چند حضرات حنفیہ نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو مروجہ کفر و بدعت سے بچانے میں امداد کی مگر امرتسر کے غیر مقلدین نے اس کو اہل حدیث واہلسنت سے خارج کرہی دیا۔ غرضکہ یہ سب وبال ہے۔ تفسیر بالرای لکھنے کا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام بھی حتی الوسع تفسیر وفتوئی سے نہایت احتیاط کرتے۔ روایات سے بھی ڈرتے تھے اور جس نے ذرا بھی دست اندازی کی تو اس کا نتیجہ بالکل برا نکلا۔ دیکھئے مشکوۃ شریف۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال خرجنا فی سفر فاصاب منا حجر فشجہ فی راسہ فاحتلم قال لا صحابہ ھل تجدون لی رخصة فی التیمم قالوا ما نجد لک رخصة وانت تقدر علی الماء فاغسل فمات فلما قدمنا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبرنا بذالک قال قتلوہ قتلھم اللہ الا سالوا اذا لم یعلموا فانما شفاء العی السوال ۔(الحدیث)

یعنی ایک سفر میں ایک صحابہ کو زخم سر پہنچا۔ رات کو اس کو احتلام بھی ہوا۔ صبح کو اپنے ساتھیوں (صحابہ) سے مسئلہ پوچھا کہ کیا مجھے تیمّم کی اجازت ہے۔ صحابہ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک کوئی وجہ نہیں کیونکہ پانی تیرے پاس موجود ہے۔ پس اس نے پانی سے نہایا اور مر گیا۔ جب قافلہ نے لوٹ کر جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر سنائی تو آپ نے رنجیدہ ہو کر فرمایا انہوں نے اس کو قتل کیا خدا ان کو ہلاک کرے جبکہ علم نہ تھا کہ کیوں اہل علم سے نہ پوچھا۔

دیکھئے صحابہ کرام جو کہ خدمت اقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر باش تھے اور ہر ایک قسم کے احکام بار بار مسموع فرماتے اور خود بھی صالح وعامل وپرہیز گار تھے اور کوئی شخص وہابیوں کی طرح بدنیت ضدی بھی نہ تھا۔ مگر بایں شرافت وصلاحیت چونکہ وہ مجتہد نہ تھے لہذا پیغمبر علیہ السلام کی دعائے بد کے مستحق ہو گئے۔ اگر ان میں کوئی شخص مجتہد ہوتا مثل معاذ ابن جبل وعلی مرتضی وابن مسعود رضی اللہ عنہم کے تو کبھی وہ فتوئی ایسے نہ دیتے اور نہ دعائے بد کے مستحق ہوتے اور اگر فتوئی دیتے بھی تو دو یا ایک اجر کے حق دار ہوتے۔ پس جبکہ بعض صحابہ کرام بھی مفتی ومجتہد نہ بن سکے تو آج کل کے تفسیر محمدی ونجات المومنین پڑھ کر کیسے مجتہد ومفسر بن گئے۔

ع...... آدمیاں گم شدند وملک خدا خر گرفت

اس واسطے بار بار تاکید آئی ہے کہ دین سیکھتے ہو تو دیکھ کر سیکھو۔

عن ابن سیرین قال ان ھذا العلم دین فانظر و اعمن تاخذون دینکم (رواہ مسلم والدارمی)

یعنی یہ علم ہی تو دین ہے پس دیکھ لو کہ کس سے حاصل کرتے ہو۔

اور دوسری جگہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا ابو موسیٰ اشعری نے...

لا تسئلونی ما دام ھذا الحبر فیکم ۔(مشکوٰۃ)

یعنی جب تک یہ بڑا جید عالم تم میں موجود ہے مجھ سے مسئلہ نہ پوچھو۔

چونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بہت افقہ و اعلم تھے اور افقہ و اعلم کی بات افضل ہوتی ہے۔اس لئے خود فتویٰ نہ دیا اور یہ صلحاء و کملاء کی سنت ہے کہ جب کسی کو اپنے سے اعلم وافقہ دیکھتے ہیں تو اس کی کمال عزت وعظمت سے قدر افزائی اور ادب کرتے ہیں، نہ اس کی زندگی میں صرف بلکہ بعد از وفات بھی۔

چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حال میں لکھا ہے کہ جب وہ قبر مکرم امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر پہنچے تو فجر کی نماز میں دعائے قنوت ترک کر دی حالانکہ مذہب شافعی میں وہ واجب تھی ۔ دوسری روایت میں ہے کہ رفع یدین ترک کیا۔ جب آپ سے کسی نے وجہ ترک دریافت کی تو فرمایا: ادبنا مع ھذا الامام اکثر من ان نظھر خلافہ بحضرتہ ۔الخ (مرقات شرح مشکوٰۃ وغیرہ)

یعنی ادب کرتا ہوں اس امام سے اس بات سے کہ اس کی حاضری میں اس کے مذہب کے خلاف کام کروں ۔ یہ تھی عظمت و شان امام کی بعد از وفات بھی ۔کوئی مجتہد آپ کی قبر مبارک کے پاس جرأت خلاف کی نہ کرتا اور یہ خلوص وتقویٰ امام شافعی کا کہ آپ کو قبر میں زندہ سمجھ کر مذہب امام کے خلاف کام نہ کیا۔اب کہاں ہیں؟ وہ بے دین جو بار بار کہا کرتے ہیں کہ امام صاحب کے سیکڑوں مسئلے خلاف قرآن وحدیث میں

فلعنۃ ربنا اعداد رملٍ　　علی من ردّ قول ابی حنیفہ

لقد زان البلاد و من علیھا　　امام المسلمین ابو حنیفہ

غرضکہ بلا فقہ وتفقہ باطنی تفسیریں بنانا سراسر نقصان کا موجب ہیں اور فقہ شریف کی فضیلت ابن حجر نے خیرات الحسان فصل ۲۶ میں اور ترمذی نے باب الجنائز

میں اور رسالہ انصاف شاہ ولی اللہ میں خوب لکھی ہے۔حدیث صحیح میں ہے:

من یرد اللہ بہ خیر ایفقھہ فی الدین ۔(رواہ البخاری)

یعنی جس کو خدا بہتر کرنا چاہتا ہے تو اس کو فقیہ ومجتہد بناتا ہے۔

پس اسی واسطے مجتہد وفقیہ کی تقلید واجب ہے۔

اب ناظرین کو پھر متوجہ کرتا ہوں کہ سائل جب حسب الحکم فاسئلوا اھل الذکر کے مسئلہ کا سوال کرے گا تو کس سے کرے۔اہل ذکر تو ہر اک مذہب رافضی، خارجی، مرزائی، معتزلہ، قدریہ وغیرہم میں ہو سکتے ہیں تو فرماؤ سائل کیا کرے۔ اگر کل اہل ذکر سے سوال کیا تو بوجہ جوابات مختلف ملنے کے طبیعت سخت پریشان ہوگی۔ پھر بعد از حصول جوابات تین صورتیں ہیں۔

(۱) یا اپنے تفقہ واجتہاد سے کام لے گا۔

(۲) اگر مجتہد وفقیہ نہیں تو کسی مجتہد کا مقلد ہوگا۔

(۳) یا ملحد ومذبذب ہوگا۔

یعنی کبھی ایک حلال کبھی وہی حرام، کبھی وہی گناہ کبھی وہی ثواب۔ چنانچہ دیکھو مقدمہ امر پانزدہم ۔پس ثابت ہوا کہ انسان کو ایک مذہب کا مقلد بننا لازم ہے تاکہ نفاق واختلاف سے بچ کر اطمینان قلبی وتسکین روحی حاصل کرے۔ پھر مجتہد خواہ صواب پر ہو خواہ خطا پر مقلد کے حق بہر حال بہتر ہے۔ چنانچہ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کتاب تحفہ اثنا عشریہ باب ۱۱ میں لکھتے ہیں:

مجتہد را تقلید دلیل خود ضرور است واجتہاد و مجتہد احتمال خطا دارد ۔ مجتہد بر خطا معاتب نیست بلکہ ماجور بیک اجر است چنانچہ در معالم الاصول شیعہ نیز بایں تصریح نمودہ۔ پس خطاء محتمل اور رنگ صواب متیقن شد کہ اصلا خوفے وخطرے ندارد۔ در حق

اور نہ در حق مقلد او۔ الخ ۔ (پس واجب ہوئی تقلید ایک امام کی)

اللهم ثبتنا على مذهب ابى حنيفة . آمين

=======

چھٹی دلیل وجوب تقلید پر

قولہ تعالیٰ : انما النسئ زيادة فى الكفر يضل به الذين كفروا يحلونه عاما و يحرمونه عاما ۔ (پارہ ۱۰، سورۃ توبہ، آیت نمبر ۳۷)

یعنی اس کے سوا نہیں کہ تاخیر کرنا بڑھاتا ہے کفر میں اور یہ سبب اس کے گمراہ ہوئے وہ کافر۔ حلال جانتے ہیں ایک سال اس کو پھر حرام جانتے ہیں ایک سال اُسی کو

اب خیال کرنا چاہیئے کہ ایک چیز کو ایک وقت حلال سمجھنا پھر دوسرے وقت اُسی کو حرام سمجھا۔ یہ صریح مشابہت ہے کفار کے ساتھ اور یہ کس کو حاصل ہے جو کہ دو مذہبوں کی سیر کرتا ہے۔ بین بین چلتا ہے اسی واسطے حضرات فقہاء وارباب اصول نے سب مذاہب پر عمل کرنے سے منع کیا ہے اور ایک ہی مذہب کی تقلید کو لازم پکڑا ہے۔

اوّل: چنانچہ حضرت شیخ ابن ہمام نے تحریر الاصول میں اور شیخ ابن حاجب نے مختصر الاصول میں اور قاضی عضد الدین مختصر الاصول میں اور صاحب درمختار نے درمختار میں بالفاظ مختلفہ یوں تصریح کی ہے۔

ان الرجوع عن التقليد بعد العمل ممنوع بالاتفاق

اور کہا صاحب بحر الرائق نے رسالہ زینیہ میں

فوجب على مقلد ابيحنيفة العمل به و لا يجوز له العمل بقول غيره كما نقل الشيخ قاسم فى تصحيحه عن جميع الاصوليين انه لا

يصح الرجوع عن التقليد بعد العمل بالاتفاق ۔

یعنی اجماع واتفاق ہے کہ بعد از عمل کرنے کے تقلید سے پھر جانا باطل وناجائز ہے اور حنفی پر واجب ہے کہ اپنے امام کے قول پر عمل کرنا نہ کسی اور کے۔

دوم: کہا عبدالبر مالکی نے ان تتبع رخص المذاهب غير جائز بالاجماع ذكره مسلم الثبوت

یعنی ہر ایک مذہب سے حلال اور جائز جائز ڈھونڈنا منع ہے بالاجماع۔

سوم: کتاب مجمع البحار میں (جو صحاح ستہ کی معتبر شرح ہے) لکھا ہے۔

لكن منعه الاصوليون للمصلحة وحكى عن بعض الائمة ان من اختار من كل مذهب ما هوا هون يفسق ۔

یعنی ہر مذہب پر چلنا اور یا ہر مذہب سے تھوڑا تھوڑا لینا آسان لینا فاسقوں کا طریقہ ہے۔

چہارم: امام شعرانی مالکی اپنی کتاب میزان میں لکھتے ہیں

سمعت سيدى عليا الخواص رحمة الله عليه فيقول امر علماء الشريعة بالتزام مذهب معين تقريبا للطريق ط

یعنی فرمایا حضرت زبدۃ العارفین شیخ زمان علی خواص علیہ الرحمۃ نے (جو امام شعرانی کے پیر ہیں) کہ علماء شرع کا حکم ہے اور راستہ حق کے قریب ہونے کے واسطے ایک مذہب معین پکڑنا لازم ہے۔

پنجم: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رسالہ انصاف میں لکھتے:

بعد المائتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين باعيانهم وقل من كان لا يعتمد على مذهب مجتهد بعينه و كان هذا هو الواجب فى ذالك الزمان۔

یعنی دو سو برس کے بعد مجتہدین کے مذہب پکڑنے کا التزام ہوا اور یہ مذہب پکڑنا واجب تھا اور کوئی شاذ و نادر تھا جو باہر رہ گیا تھا۔ ورنہ سب لوگ مقلد ہو گئے تھے۔

ف: حضرت امام اعظم تابعی رضی اللہ عنہ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ بعدازاں دیگر آئمہ کی تحقیق و تدقیق کی اشاعت کامل ہوئی اور دو سو برس تک کل مسائل تحریری و تقریری کی شہرت تام وقبولیت عام ہوگئی اور مسائل اصولی وفروعی کل قلمبند و مدون ہو گئے۔ بعدازاں علماء دین وحامیان اسلام نے اجماع کرلیا کہ آئمہ اربعہ کی تقلید سے جو خارج ہے وہ مخالف ہے پس کوئی کوئی شخص شاذ و نادر ایسا رہ گیا کہ تقلید پر عامل نہ ہو۔ ورنہ سب مسلمان تقلید پر مجتمع ہو گئے۔

پس جبکہ ثابت ہوا اجماع امت تقلید پر (جیسا کہ مذکور ہوا) تو اب ہم کہتے ہیں کہ مسائل اسلامیہ تو اجماعیہ ہیں یا اختلافیہ۔ اگر ہیں اجماعیہ تو ان کا اتباع واجب ہے، بالاجماع اور اگر ہیں اختلافیہ تو مقلد کے واسطے دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو اختیار کرے گا سیر ہر مذہب کی اور دورہ کرے گا کبھی حلت سے طرف حرمت کی اور کبھی حرمت سے طرف حلت کی۔ یعنی کبھی ایک کو حلال پھر اُسی کو حرام سمجھے گا۔ جیسا کہ مقدمہ امر پانزدہم میں گزر گیا۔ یا ایک مذہب کا مقلد ہوگا۔ پھر اگر مقلد صورت اول میں یعنی ہر دیگ کا چمچا کبھی ادھر کبھی ادھر تو یہ باطل ساتھ آیت مذکورہ کے اور یہ دو حدیثیں بھی اُسی کی مذمت میں ہیں۔

مثل المنافق کمثل الشاة العائرة مین الغمنین تعرالی هذه مرة والی هذه مرة (رواہ مسلم)

یعنی منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو کہ دو ریوڑوں (دو جماعتوں) کے درمیان چلتی ہے کبھی اس طرف گئی کبھی اس طرف آئی۔

دوسری حدیث ان شر الناس ذوالوجهين الذی یاتی هولاء بوجه وهولاء بوجه. (رواہ البخاری)

یعنی دو رخہ آدمی (جو ایک رخ تو ایک جماعت کی طرف اور ایک رخ دوسری جماعت کی طرف رکھتا ہے) بدتر ہے سب آدمیوں سے اور اگر مقلد ہے صورت ثانیہ میں یعنی ایک کا مقلد تو ثابت ہوئی تعین ایک مذہب کی اور باطل ہوئی تلفیق یعنی دو چار مذاہب پر چلنا۔ بیان اس کا یہ ہے۔ تلفیق یا تو کرے گا تقلید کرنے سے پہلے یا بعد از اختیار کرنے تقلید کے۔ پھر اگر تلفیق کرے گا پیچھے عمل کرنے کے تو باطل ہے ساتھ اجماع کے جو کہ اوپر منع ہونے رجوع کے بعد از تقلید کے منعقد ہوا ہے اور اگر تلفیق کرے گا پہلے تو یہ ہے باطل ساتھ اس اجماع کے جو منعقد ہوا ہے اوپر منع ہونے تتبع رخص مذہب سے اور اگر جائز ہو تلفیق تو لازم آئے گا اس میں تتبع رخص مذاہب کا اور وہ ناجائز ہے بالاجماع۔ پس باطل ہوئی تلفیق یعنی دو مذہبوں پر چلنا۔

ہم اس مضمون کو پھر اور بھی تشریح کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ وہ صورت بیانیہ یہ ہے کہ جملہ مجتہدین جمع ہوئے ہیں۔ مسائل اجتہادیہ اختلافیہ میں از روئے اعتقاد و اعمال کے بایں طور پر فلاں فلاں چیز حرام اور فلاں فلاں حلال۔ پھر اگر جائز ہو تلفیق اور تتبع رخص مذاہب یعنی ہر ایک مذہب پر عمل کرنا تو اُٹھ جائے گی حلت وحرمت تمام جہان سے اور اجماع ہو جائے گا۔ لغویات اور بیہودہ گوئی پر یعنی کوئی چیز حلال وحرام ثابت نہ ہوگی بلکہ انسان آزاد بن کر کبھی ایک چیز کو حلال پھر اُسی کو حرام کہے گا۔ لہذا یہ تلفیق ورخص مذاہب باطل ہے اور تقلید شخصی واجب ہے، چنانچہ حضرات علماء دین نے بھی فیصلہ کر دیا ہے۔

ششم: ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے رسالہ تشییع الفقہاء میں لکھا ہے۔

بل وجب علیه ان یعین مذهبا من هذه المذاهب۔

یعنی واجب ہے انسان پر کہ اپنے لئے ایک خاص مذہب مقرر کرے۔

ہفتم: تفسیر احمدی میں لکھا ہے

اذا التزم مذهبا یجب علیه ان یدوم مذهبا التزمه و لا ینقل عنه الی مذهب اخر الخ۔

یعنی جس وقت کوئی شخص لازم پکڑے کسی مذہب کو تو اس پر لازم و واجب ہے کہ اس مذہب پر دائم قائم رہے اور اس کو چھوڑ کر دوسرے مذہب پر نہ چلے۔

دہم: فرمایا صاحب الہدایہ نے باب الوتر میں:

و اذا علم المقتدی منه ما یزعم فساد صلوته کالفصد و غیره لا یجوز به الاقتداء۔

یعنی جب مقتدی کو معلوم ہو جائے کہ امام میں مفسد صلوۃ (نکسیر و فصد وغیرہ) کی وجہ موجود ہے تو اس امام کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

یازدہم: فرمایا امام طحاوی نے شرح درمختار میں باب بحث مفقق میں

قال صاحب الهدایة فی التجنیس الواجب عندی ان یفتی بقول ابیحنیفة علی کل حال

یعنی واجب ہے کہ ہمیشہ ہر حال امام اعظم کے قول پر ہی فتویٰ دیا جائے۔

دوازدہم: فرمایا شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں:

فبهذا ظهر ان الصواب ما ذهب الیه ابو حنیفة و ان العمل علی مقلد واجب و الافتاء بغیره لا یجوز لهم۔

یعنی بات وہی صواب ہے جس پر حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اور مقلد کو سوائے قول امام کے غیر کے قول پر فتویٰ دینا منع ہے۔

سیزدہم: فتاویٰ عالمگیری باب التعزیر میں ہے۔

حنفی ارتحل الی مذهب الشافعی یعزر کذا فی جواهر الاخلاطی

یعنی اگر کوئی شخص حنفی مذہب سے نکل کر مذہب شافعی میں گیا تو اس کو تعزیر دینا ہے۔

چہاردہم: اور کہا امام حموی نے شرح اشباہ والنظائر میں

وفی الفتح قالوا ان المنتقل مذهب الی مذهب بالاجتهاد والبرهان آثم ولیستوجب التعزیر فبلا اجتهاد و برهان اولی۔

یعنی کتاب الفتح میں ہے کہا علماء دین نے کہ تحقیق ایک مذہب سے نکل کر دوسرا مذہب پکڑنے والے کو سزا اور تعزیر دینی چاہئے۔ کیونکہ وہ گنہگار ہے اگرچہ ساتھ دلیل و برہان کے ہو پھر نادان کا کیا حال ہے۔

پانزدہم: فرمایا حضرت امام قہستانی نے نقایہ شرح وقایہ کی کتاب القضاء میں ہے

قال ابو بکر الرازی لو قضی بخلاف مذهبه مع العلم لم یجز فی قولهم جمیعا۔

یعنی جان بوجھ کر اگر قاضی اپنے مذہب کے خلاف فتویٰ دے تو ناجائز ہے۔

شانزدہم: کتاب شرح مسلم الثبوت کے صفحہ ۶۲۲ میں ہے۔

غیر المجتهد المطلق و لو کان عالما یلزمه التقلید المجتهد ما

یعنی غیر مجتہد اگرچہ عالم ہی ہو اس پر تقلید کسی مجتہد کی ضرور ہے۔

ہفتدہم: امام شعرانی میزان کے صفحہ ۲۴ میں لکھتے ہیں

فان قلت فهل يجب على المحجوب عن الاطلاع على العين الاولى الشريعة التقليد بمذهب معين فالجواب يجب عليه ذالک لئلا يضل نفسه و يضل غيره ۔

یعنی جو شخص غیر مجتہد ہے اس پر کسی مجتہد کی تقلید واجب ہے تاکہ نہ خود گمراہ ہونہ دوسروں کو گمراہ کرے۔

ہشتدہم: ردالمختار جلد چہارم صفحہ ۲۸۳ میں ہے:

ليس للعامي ان يتحول من مذهب الى مذهب و يستوى فيه الحنفي و الشافعي ۔

یعنی عامی غیر مجتہد کو جائز نہیں کہ ایک مذہب چھوڑ کے دوسرا پکڑے۔

نوزدہم: امام ملا علی قاری علیہ الرحمۃ شرح عین العلم میں لکھتے ہیں:

فلو التزم احد مذهبا كابيحنيفة و الشافعي فلا يقلد غيره مسئلة من المسائل ۔

یعنی اگر کسی شخص نے ایک مذہب کو لازم پکڑا تو اس مذہب پر دوام رہے اور کسی مسئلہ میں غیر کی تقلید نہ کرے۔

بستم: شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رسالہ عقدالجید میں لکھتے ہیں

اذ لم يجتمع الات الاجتهاد لا يجوز له العمل على الحديث بخلاف مذهبه لانه لا يدرى منسوخ ماول او محكم على ظاهره و مال الى هذا القول ابن حاجب في مختصره و تابعوه ط

یعنی جب تک اسباب اجتہاد کے میسر نہ ہوں تو غیر مجتہد کو عمل بالحدیث جائز

نہیں اور اس سے پہلے ایک جگہ امام بغوی سے یوں نقل کرتے ہیں:

ويجب على من لم يجمع هذه الشرائط تقليد فيما يعين له الحوادث ۔

یعنی جو شخص شرطوں کا جامع نہیں تقلید غیر کی (جو جامع ہے) کرنی چاہیئے۔

بست و یکم: کتاب میزان الخضری میں ہے:

فقد صرح العلماء بان التقليد واجب على كل ضعيف و قاصر النظر

یعنی تحقیق علماء نے اس پر تصریح کی ہے کہ تقلید ہر اک ضعیف پر واجب ہے۔

بست و دوم: شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں رسالہ فیوض الحرمین میں:

عرفني رسول الله صلى الله عليه وسلم ان المذهب الحنفي طريقة انيقة وهى اوفق الطرق بالسنة المعروفة التى جمعت و نفحت في زمان البخاري و اصحابه ۔

یعنی امام بخاری کے وقت میں جس قدر طرق و مذاہب تھے ان سب سے زیادہ موافق ساتھ سنت کے طریقہ حنفی ہے اور یہ معرفت مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے کرائی ہے۔

بست و سوم: حضرت داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں: کہ حضرت یحییٰ معاذ رازی نے خواب میں حضور علیہ السلام کی زیارت کر کے عرض کی:

اين اطلبک يا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال عند علم ابيحنيفة ۔

یعنی آپ کو کہاں پاؤں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کے علم میں

بست و چہارم: صاحب تحریر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

لا يُرجع عما قلد فيه اى عمل به اتفاقاً ۔

یعنی جس مذہب میں کوئی شخص مقلد ہو تو نہ لوٹے اس سے بالاتفاق

بست وپنجم: فرمایا حضرت علامہ مولانا عبدالسلام نے شرح جوہرہ میں:

انعقد الاجماع علی ان من قلدفی الفروع و مسائل الاجتهاد واحدا من هولاء بری عن عهدة التكليف به فيما قلدفيه۔

یعنی جس نے آئمہ میں سے کسی ایک کی تقلید کی تو وہ شخص عہدہ تکلیف سے بری ہوگیا بالاجماع۔

بست وششم: حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ رسالہ مبدا و معاد میں لکھتے ہیں:

آخر الامر اللہ تعالیٰ ببرکت رعایت مذہب کہ نقل از مذہب الحاد است حقیقت مذہب حنفی در ترک قرۃ تا موم ظاہر ساخت۔ الخ۔

خلاصہ یہ کہ ایک مذہب سے نکلنا دوسرے میں جانا الحاد (بے دینی) ہے چنانچہ اوپر چوتھی دلیل میں حدیث بستم کے ذیل میں مرقوم ہے۔

بست وہفتم: حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اپنی تفسیر میں بذیل آیت فلا تجعلوا الله اندادا لکھتے ہیں:

کسانیکہ اطاعت آنہا بحکم خدا فرض است شش گروہ اند۔ از انجملہ مجتہدان شریعت و مشائخان طریقت۔ الخ۔

بست وہشتم: حضرت امام غزالی کتاب کیمیائے سعادت باب بحث آداب الامر میں لکھتے ہیں:

مخالف صاحب مذہب خود کردن نزد ہیچ کس روا نباشد۔ الخ۔

یعنی کسی شخص کے نزدیک اپنے امام کے مذہب کے خلاف کرنا جائز نہیں۔

بست ونہم: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں تحریر فرماتے ہیں

خانہ دین این چہار اند۔ ہر کہ راہے ازیں راہہا دوری ازیں درہا گرفت اختیار نمودہ براہ دیگر رفتن دور دیگر گرفتن عبث ولہو باشد۔ وکارخانہ عمل را از ضبط و ربط بیروں افگندن است واز راہ مصلحت بیرون افتادن است۔ پھر آگے چل کر لکھتے ہیں: ''قرارداد علماء و مصلحت دید ایشان در آخر زمان تعیین مذہب است وضبط و ربط کار دین و دنیا ہم دریں صورت بود از دل مخیر است کہ ہر کدام راہ کہ اختیار کند صورتے دارد۔ لیکن بعد از اختیار یکے بجانب دیگر رفتن بتوہم سوظن وتفرق وتشتت در اعمال و اقوال نخواہد بود قرارداد متاخرین علماء است وہو الخیر وفیہ الخیر''۔

یعنی خلاصہ یہ کہ بار بار نیا مذہب پکڑنا' ایک کو ترک کرنا دوسرے کو لینا' خلاف مصلحت اور خارج از خیریت ہے اور اس میں سراسر بدظنی اور تفریق ونفاق اور دین میں کھیل ہے جو کہ حرام ہے۔ ایک ہی مذہب پر قائم رہنا نہایت ہی بہتر اور نیک انجام ہے

سی ام: امام عینی نے شرح کنز میں لکھا ہے:

قال البزدوی فی اصوله اجمع العلماء والفقهاء على ان المفتى وجب ان يكون من اهل الاجتهاد وان لم يكن من اهل الاجتهاد فلا تحل له ان يفتیٰ الا بطريق الحكاية۔

یعنی فی الاصل مفتی تو مجتہد ہی ہے۔ غیر مجتہد کا کام فتوے دینا نہیں مگر بطریق حکایت یعنی کسی امام کے قول کے موافق ہو۔

سی ویکم: قال فی الفتاوی الظهيرية فی كتاب القضاء اجمع الفقهآء على ان المفتى وجب ان يكون من اهل الاجتهاد وان لم يكن من اهل

الاجتهاد وفلا تحل له ان يفتى الا بطريق الحكايه.

یعنی غیر مجتہد کو فتویٰ دینا حرام ہے مگر بطور نقل وحکایت۔

سی ودوم: فی فصولا لعمادية وان لم يكن من اهل الاجتهاد فلا تحل له ان يفتى الا بطريق الحكاية .

یعنی غیر مجتہد جب تک کسی مجتہد کامل کے قول سے فتویٰ نہ دے تب تک حرام ہے اس کو فتویٰ دینا۔

سی وسوم: قال الامام الاسفرائی فی شرح منهاج الاصول انهم اجمعوا الی ان العامی لا یجوز له ان یفتی الامن غلب علی ظنه انه اهل الاجتهاد

یعنی فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ عامی غیر مجتہد کو جائز نہیں کہ فتویٰ دے مگر جس پر مجتہد ہونے کا یقین ہو اس کے قول سے فتویٰ دے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری، کتاب القاضی باب ہشتم میں بھی بیان ہے۔

سی وچہارم: فرمایا امام غزالی نے ارکان امر معروف ونہی عن المنکر میں:

علی کل مقلد اتباع مقلده من کل تفصیل فاذا مخالفة المقلدمتفق علی کونه منکر ابین المحصلین ط

یعنی مقلد پر اپنے امام کی متابعت ہر مسئلہ میں لازم ہے اور امام کے خلاف کرنا سخت گناہ ہے۔

سی وپنجم: مختصرالوقایہ کی کتاب الاشربہ امام قہستانی کا قول ہے:

واعلم من جعل الحق متعددا کالمعتزلة اثبت للعامی الاختیار فی الاخذ من کل مذهب ما یهواه. ومن جعل الحق واحدا کعلما ئنا

الزم للعامی اماما کما فی الکشف فلو اخذ من کل مذهب مباحه فصار فاسقاً کما فی الشرح الطحاوی للفقیه سعید ابن مسعود .

یعنی جان تو کہ جس نے معتزلہ کی طرح سب مذہبوں کو حق کہا تو اس نے ہر اک مسلمان کے واسطے راستہ کھول دیا۔ ہر مذہب سے لینے کا اور جس نے ہمارے اہلسنت کی طرح ایک مذہب کو حق قرار دیا ہے تو اس نے عام کے واسطے ایک ہی مذہب قائم کیا ہے۔ پس جس نے ہر مذہب سے مباح مباح لے لیا تو وہ فاسق ہو گیا۔

سی وششم: امام شعرانی مالکی میزان میں لکھتے ہیں:

اما من لم یصل الی شهود عین الشریعة الاولی و جبت علیه التقلید بمذهب واحد خوفا من الوقوع فی الضلال و علیه عمل الناس الیوم

یعنی جو شخص نہیں پہنچا مرتبہ شہود کو تو اس پر ایک ہی امام کی تقلید واجب ہے۔ تاکہ گمراہی میں نہ پڑے اور اسی پر کل انسانوں کا عمل ہے۔

ف: مقامات اولیاء اللہ میں سے ایک مقام کا نام مقام شہود ہے۔ ظاہر بینوں کو یہ میسر و نصیب نہیں۔

ف: اس قول سے صریح نکلتا ہے کہ تقلید شخصی پر اجماع ہے۔

سی وہفتم: شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی عقد الجید میں لکھتے ہیں:

المرجع عند الفقهاء ان العامی المنتسب الی مذهب لا یجوز مخالفته

یعنی حضرات فقہاء (دین میں عقلمند) کے نزدیک یہی معتبر ہے کہ عامی غیر مجتہد کو اپنے امام کے خلاف کرنا جائز نہیں۔

ف: یہاں تک تو تقلید شخصی کی پابندی کے اقوال مرقوم ہوئے۔ اب دیکھنا ہے کہ جس قدر اولیاء اصفیاء علماء گزرے ہیں وہ کس قدر مقلد تھے۔

سی و ہشتم: ردالمحتار میں ہے:

وحسبک من مناقبة اشتهار مذهبه ما قال قولا الا اخذبه امام من الائمة الاعلام و قد جعل الله الحکم واتباعه من زمنه الی هذه الایام وقد اتبعه علی مذهبه کثیر من الاولیاء الکرام الخ. ای فی عامة البلاد الاسلام بل کثیر من الا قالیم والبلاد لا یعرف الا مذهبه کبلا دالروم والهند والسنده وما وراء النهر و سمر قند. الخ. وقوله زمنه الی هذه الایام فالدولة العباسیة وان کان مذهبهم مذهب جدهم فاکثر قضا تها و مشائخ اسلامها حنفیة یظهر ذالک لمن تضح کتب التواریخ و کان مدة ملکهم خمس مائة سنة تقریبا و اما الملوک السلجوقیون و بعد هم الخوار زمیون فکلهم حنفیون و قضاة مالکهم غالبا حنفیة۔ الخ

یعنی حضرت امام العالم امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مقلد کروڑ ہا اولیاء و علماء مشائخین ہیں۔ چنانچہ سلطنت عباسیہ پانچ برس رہی جس میں کل قاضی و مفتی و صوفیا وغیرہم حنفی تھے اور پادشاہان سلجوقیون و خوارزمیون تو سب ہی حنفی تھے اور اب بھی تمام بلاد اسلامیہ جیسا روم و شام بلخ بخارا و افغانستان و سمرقند و ماوراالنہر و ہند و سندھ کے مسلمان دوحصوں سے زیادہ حنفی ہیں اور ایک حصہ میں سے دوثلث دیگر مقلدین اور ایک ثلث میں گمراہ فرقے مثل وہابی نیچری و مرزائی وغیرہ ہیں۔

سی و نہم: علامہ محمد طاہر صاحب حنفی خاتمہ مجمع البحار میں (جو صحاح ستہ کی معتبر شرح ہے) لکھتے ہیں:

ویدل علیه ما یسر الله نه من الذکر المنتشر فی الافاقی فلولم یکن الله تعالی سرفیه[1] لما جمع شطر الاسلام علی تقلیده۔

یعنی خدا نے جو حضرت امام العالم امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تقلید پر بڑا کامل حصہ قائم کیا ہے اس میں ضرور کچھ حکمت الٰہی و بھید پوشیدہ ہے۔

چہلم: امام شعرانی مالکی میزان میں لکھتے ہیں:

فلا ینبغی لاحد الاعتراض علیه (ای علی ابی حنیفة) لکونه من اجل الائمة و اقدمهم تدوینا للمذهب و اقربهم سندا الی النبی صلی الله علیه وسلم و مشاهدا بفعل اکابر التابعین و کان متقیدا بالکتب والسنة و متبریا من الرای۔ الخ

یعنی کسی کو لائق اور جائز نہیں کہ امام اعظم پر اعتراض کرے کیونکہ وہ اماموں کے سردار و بزرگ ہیں۔ حضور علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں سنداً اور اکابر تابعین کے حالات و افعال کو ملاحظہ کرنے والے ہیں اور قرآن و حدیث کے سخت پابند ہیں اور اپنی رائے اور خیال سے بچنے والے ہیں۔

ف: دیکھئے یہ ایمان ہے دیگر مذاہب کے محدثین کا۔

چہل و یکم: حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ اپنے رسالہ میں (جو قفال کا جواب ہے) لکھتے ہیں:

واتباع ابی حنیفة قدیما و حدیثا ففی الازدیاد فی جمیع البلاد سیما فی بلاد الروم و ما وراء النهر وولایة الهند والسند واکثر[2] اهل

---

[1] تفسیر احمدی میں ہے ان انحصار المذاهب فی الاربع واتباعهم فضل لهی و قبولیة من الله

خراسان و عراق معه وجودته كثيرين فى بلاد العرب بالاتفاق واظن انهم يكونون ثلثى المسلين بل اكثر عند المهند سين بالاتفاق مع ان سلاطين فى كل زمان و مكان ثابتون على مذهب النعمان فى كل عصر ودهر ۔الخ

یعنی جس قدر بلاد اسلامیہ وغیر اسلامیہ مانند عرب و روم ومصر وخراسان و افغانستان وہند وسندھ وکشمیر وغیرہ کل روئے زمین کے اہل اسلام دو حصے سے زیادہ حنفی المذہب تھے اور اب بھی ہیں ۔خواہ وہ امراء وسلاطین ہوں خواہ اہل علم خواہ عام اہل اسلام ۔اب غیر مقلدوں کے منہ کو کوئی لگام دے تا کہ کل اہل اسلام کو کافر ومشرک نہ بنائیں اور اپنا ایمان برباد نہ کریں۔ اللهم ثبتنا على متابعة ابى حنيفة رضى الله عنه

چہل و دوم: حضرت امام ربانی قطب دورانی شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ اپنے مکتوبات شریف میں لکھتے ہیں:

مثل روح اللہ مثل امام اعظم کوفی است کہ بہ برکت ورع وتقوئی و دولت متابعت سنت درجہ علیا در اجتہاد واستنباط یافتہ است کہ دیگراں درفہم او عاجز اند ومجتہدات او را بواسطۂ دقت معانی مخالف کتاب وسنت دانند واو را اصحاب الرای پندارند کل ذالک العدم الوصول الی حقیقۃ علمہ ودرایتہ وعدم الاطلاع علی فہمہ وفراستہ مگر امام شافعی علیہ الرحمۃ از فقاہت او علیہ الرضوان شمہ یافت کہ گفت الفقہاء کلھم عیال ابی حنیفۃ فی الفقہ بواسطہ ہمیں مناسبت کہ بروح اللہ دارد تواند بود آنچہ حضرت خواجہ محمد پارسا صاحب در فصول نوشتہ است کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد از نزول بہ مذہب امام ابو حنیفہ حکم وعمل خواہد کرد الخ۔

الغرض تمام دنیا کے اولیاء وعلماء وصلحاء اکثر سے زیادہ حضرت امام کے مذہب پر ہیں ۔پھر نہ معلوم کہ غیر مقلد کیوں ان کے دشمن بن گئے اور امام ربانی نے خوب دلائل کثیرہ معتبرہ سے ثابت کیا ہے کہ تقلید امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دیگر آئمہ سے بہتر وانفع ہے اور طریقہ نقشبندیہ سب طریقوں سے افضل واکمل واقرب ہے ۔ چنانچہ دیکھو مکتوبات شریف امام ربانی جلد اول مکتوب نمبر ۲۴۳و۲۶۹، ۲۲۱، ۱۱۸، ۱۴۹، ۱۳۱ وغیرہ۔

الحمد لله الذى ارشدنا الى افضل الطريقة النقشبنديه .

==========

ساتویں دلیل وجوب تقلید پر

يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وابتغوا اليه الوسيلة وجاهدوا فى سبيله (پارہ ۶، سورۃ المائدہ، آیت ۳۵)

(۱) یعنی اے ایماندارو تقوئی اختیار کرو۔

(۲) اور وسیلہ تلاش کرو خدا کی طرف۔

(۳) مجاہدہ وکوشش کرو۔

(۴) تا کہ ان چیزوں کے باعث تمہاری نجات ہو۔

اس آیت میں خدا نے بعد از تقوئی وسیلہ تلاش کرنا واجب کیا ہے جس سے باوجود عامل و عالم ہونے کے بھی وسیلہ کی سخت ضرورت ثابت ہوتی ہے اور بلا وسیلہ نجات کامل بھی ملنا مشکل ہے ۔اب وسیلہ کے معنی بھی یاد کرلیں صراح میں ہے:۔

وسیلہ سبب گرفتن وتوسل نزدیکی جستن بچیزے

اور فتح الباری شرح البخاری میں ہے:

هى ما يتقرب به الى الكبيريقال توسلت اى تقربت .

اور لبید شاعر کا یہ شعر ہے:

ارای الناس لا يدرون ما قدر امرهم

الا كل ذى لب الى الله واسل

اور تفسیر جلالین میں ہے۔

الوسيلة ما يتقربكم الله من طاعة

اور تفسیر بیضاوی میں ہے۔

الوسيلة ما تتوسلون به الى ثوابه والزلفى منه الخ۔

غرضکہ وسیلہ کے معنی ہیں سبب اور قرب حق اور نزدیکی تلاش کرنا اور جو چیز بندہ کو خدا کے قریب کرے۔ چھوٹے کا بزرگ تک پہنچنا[۱] اور یہ امر سوائے تقلید مجتہدین و بیعت مشائخین کے نہایت مشکل ہے۔ تقریر اس کی یوں ہے کہ جس قدر معاملات اور عبادات ہیں خواہ ظاہری خواہ باطنی ان سب کی صحت وحقیت موقوف ہے۔ علوم شرعیہ پر اور علوم شرعیہ کی تحقیق وتصدیق اور تنقید وتنقیح اور طریق تصفیہ وتزکیہ وغیرہ یہ سب موقوف ہیں فی زمانہ موجودہ حضرات امامان دین و صالحین مشائخین پر۔ اگر ان کو چھوڑ کر کوئی کام کرے تو اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ خارج از اہلسنت ہوگا۔ کیونکہ آج کل یہی لوگ ہیں ذرائع اور اسباب تحصیل طاعات وتکمیل عبادات اور ترک منکرات ومنہیات کے۔ پس ثابت ہوا کہ تقلید مجتہدین و بیعت صوفیاء صالحین واجب ہے۔

اور اس آیت میں وسیلہ کے معنی ایمان بھی نہیں کیونکہ پہلے خطاب ہی اہل ایمان کو ہے اور اعمال صالحہ بھی مراد نہیں کہ وہ خود تقویٰ میں داخل ہیں اور جہاد بھی مراد نہیں کہ جاہدوا علیحدہ موجود ہے۔ پس واجب ہوئی تقلید مجتہدین و بیعت مشائخین اس آیت سے' چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی تفسیر عزیزی بذیل آیت فلا

[۱] تفسیر کشاف میں ہے كل ما يتوسل به اى يتقرب من قبلة او غير ذالك اور مدارک میں ھے هى كلما يتوسل به الخ۔

تجعلوا الله اندادا' لکھتے ہیں۔

کسانیکہ اطاعت آنہا بحکم خدا فرض است شش گروہ اند۔ از انجملہ مجتہدان شریعت ومشائخین طریقت۔ الخ۔

اور اسی آیت کی تائید اس دوسری آیت میں یوں ہے۔

يايها الذين امنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين ط

(پارہ ۱۱، سورۃ توبہ، آیت ۱۱۹)

یعنی اے ایماندارو بعد تقویٰ کے معیت اختیار کرو صادقین کی۔

اب معیت دیکھنا ہے کہ معیت سے مراد کیا مراد ہے۔ بظاہر معیت سے مراد یا محبت وصحبت ہے یا متابعت وتقلید ہے اور ہر دو کا نتیجہ بھی یا تقلید مجتہد ہے یا بیعت شیخ طریقت، تو خلاصہ یہ نکلا کہ تقلید مجتہدین و بیعت صادقین واجب ہے کیونکہ دونوں آیتوں میں صیغے کونوا' وابتغوا امر کے ہیں جو کہ اکثر وجوب کیلئے آیا کرتے ہیں اور جب معیت صادقین کی لازم ہوئی تو تمام صدیقوں کے سردار امام الصادقین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہوئے جن کی ذات اقدس خیر البشر بعد الانبیاء کے لقب سے ملقب ہے اور جو کہ مقتدا ومبداء وامام اول ہیں طریقہ انیقہ نقشبندیہ کے رضی اللہ عنہم وعن جمیع المسلمین۔ اور ایسا ہی احتیاط وتقویٰ کی بار بار تاکید ہے اور مذہب حنفی میں زیادہ تر احتیاط وتقویٰ ہے۔ مثلاً پانی کے متعلق عندالاختلاف جو پانی امام صاحب کے نزدیک پاک ہے وہ سب کے نزدیک پاک ہے اور جو پانی اوروں کے نزدیک پاک ہے وہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پاک نہیں۔ یا مثلاً مسح سر کا کسی کے نزدیک آدھ سر کسی کے نزدیک ربع سر کسی کے نزدیک اور بھی کم مگر ہمارے امام کے نزدیک سارے سر کا مسح ہے تاکہ شکوک سے نکل جائے یا مثلاً کسی عورت کا خاوند آجائے تو کسی امام کے نزدیک

ساڑھے چار برس کسی کے نزدیک کم وزیادہ مگر ہمارے امام کے نزدیک ۹۰ برس۔اس
میں کوئی قباحت نہیں بخلاف دوسری صورتوں کے ان میں کئی قباحتیں نکلتی ہیں۔عدالتوں
میں سینکڑوں مقدمات ایسے آئے جن میں وہابیوں نے چار برس کے بعد عورت کو
اجازت دے دی کہ تیرا خاوند مفقود الخبر ہے نکاح کرلے۔جب وہ حاملہ ہوئی یا دو تین
بچے جنے تو پہلا خاوند آگیا۔اب بولو وہ بچے زنا کے ہوئے یا ولد الحلال ہوئے۔اب اس
عورت کو دو ٹکڑے کریں گے یا پہلے کو یا پچھلے کو ملے گی۔بہر حال پہلے کی ہے اُسی کو ملی مگر
جس قدر زنا ہوتا رہا اس کا وبال وہابیوں کی روحوں کو ملے گا۔اسی طرح سب سے زیادہ
تقویٰ واحتیاط طریقہ صدیقیہ نقشبندیہ میں ہے۔چنانچہ حقہ وغیرہ تک بھی منع کرتے ہیں
عبادات میں ذکر خفی کو (جو اولیٰ واحسن ہے) کرتے ہیں اگرچہ جہر بھی مشروع ہے اور
اتباع سنت کو (جو باعث ترقی ایمان ومدارج عالیہ کا ہے) اقدم واسبق واحسن سمجھ کر عمل
میں لاتے ہیں۔

پس جبکہ ثابت ہوا آیات مبارکہ سے کہ مذہب حنفی اور طریقہ نقشبندی میں
سب سے زیادہ تقویٰ واحتیاط ہے تو غیر مقلدین کو خدا کی مار کیوں ہے کہ ان دونوں سے
ان کو زیادہ نفرت وعداوت اور بغض وحسد ہے۔معاذ اللہ۔

اللھم ثبتنا علی مذھب ابی حنیفة

واحشر نامع الصادقین و الصالحین . آمین

....

خاتمة بالخیر

اس خاتمہ میں دو امر کا فیصلہ ہے۔ایک تو اماموں کے فرمان کی توجیہہ وتوضیح،
دوسرا غیر مقلدوں کے سوالات۔

سوال: امامانِ دین نے بالفاظ مختلفہ فرمایا ہے۔ اترکوا قولی بخبر الرسول۔
اذا صح الحدیث فھو مذھبی۔لا تقلدونی ولا مالکا۔تو ان اقوال سے
تقلید بالکل اُڑ گئی۔

الجواب: اس میں ایک تو خبر رسول وارد ہے پھر ساتھ ہی اذا صح شرط اعظم ہے۔اب یہ
بات قابل غور ہے کہ خبر پیغمبر کے واسطے تصحیح وتحقیق وتصدیق کی از حد ضرورت ہے اور یہ
کام بڑے محدث ومجتہد کا ہے۔پھر بعد از صحت کے اس کو مادہ ترجیح وتطبیق اور توجیہہ و
توفیق کا ہونا لازمی ہے تاکہ حدیثوں میں محاکمہ وموازنہ کر کے ایک جانب کو مرجح اور
دوسری کو غیر مرجح ثابت کرے۔اب ایمان سے کہو کہ یہ کس کا کام ہے۔دوسرا یہ کہ
چونکہ امام صاحب کی صحت پر کسی محدث کی تصحیح وتضعیف غالب نہیں کیونکہ آپ کے وقت
میں یا آپ سے پہلے کوئی محدث آپ کے ہمسر نہ تھا نہ اب تک کوئی ہوا۔اور یہ بھی غیر
ممکن ہے کہ جس حدیث کی صحت امام صاحب کے نزدیک ثابت ہے اس کو کوئی محدث
ضعیف کرے اور جس حدیث کو امام صاحب نے صحیح ثابت کیا وہ محدثین کے قاعدہ سے
ضعیف نہیں ہو سکتی کیونکہ امام صاحب اور صحابہ کرام کے درمیان بالکل کوئی واسطہ نہیں
ہے۔وجہ یہ کہ امام علی الاصح تابعی ہیں اور تابعی وصحابہ میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔البتہ جس
محدث کا سلسلہ دور دراز ہو اور اس محدث سے لے کر صحابہ کرام تک کئی اسناد اور واسطے
ہوں تو بے شک راویوں پر جرح وستم چسپاں ہوگا۔جیسا کہ بخاری ومسلم وغیرہ کے راویوں

پر جو سیکڑوں تک ہیں ضعف وکذب وبدعت وبدعقیدہ ہونے کا الزام ثابت ہے۔ دیکھو
شرح سفر السعادت وغیرہ۔ کیونکہ بخاری سے صحابہ تک کئی اسناد ہیں اور علاوہ ازیں امام
صاحب کے نزدیک صحت حدیث کا معیار نہایت ہی عمدہ اور مضبوط تھا۔ (دیکھو تاریخ
ابن خلدون) اس واسطے امام صاحب کے نزدیک بہت کم حدیثیں صحت کو پہنچی ہیں اور
باقی احادیث کو آپ بتر کا ساتھ رکھتے تھے ورنہ اصول حدیث امام صاحب کا ایسا بہتر و
معتبر تھا کہ سب محدث سرنگوں ہیں اور یہ بات بھی قابل یاد رکھنے کے ہے کہ کثرت
حدیث کا روایت کرنا کچھ افضلیت کا موجب نہیں ہے۔ دیکھو بخاری وغیرہ کتب صحاح
ستہ یا سوائے ان کے جس قدر کتب حدیث ہیں ان میں حضرت صدیق اکبر و فاروق
اعظم رضی اللہ عنہ سے بالکل ہی کم روایات ہیں اور علیٰ ہذا حضرات عثمان وعلی و فاطمہ و
حسین رضی اللہ عنہم سے بہت ہی کم حدیثیں مروی ہیں۔ بخلاف ان کے حضرت عائشہ و
ابو ہریرہ وابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بے شمار کثرت سے حدیثیں مروی ہیں تو پھر کیا کوئی
کہہ سکتا ہے کہ خلفائے اربعہ کا علم حدیث میں کم پایہ ہے اور معاذ اللہ یا وہ افضل نہیں ہیں
یا کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما سے افضل واعلم ہیں۔
پس جس طرح حضرت ابوہریرہ، حضرت صدیق اکبر وعمر فاروق رضی اللہ عنہم سے افضل
نہیں ہو سکتے اسی طرح دیگر محدثین بھی حضرت امام صاحب سے اعلم وافضل نہیں بن
سکتے۔ باقی رہا غیر مقلدین، حاسدین یا دشمن دین کا یہ قول کہ حضرت امام العلام کو صرف
۱۷ حدیثیں یاد تھیں۔ سو اس کا جواب بالفعل اتنا ہی کافی ہے کہ امام صاحب کے

ا: علامہ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع میں ابن خلدون کی نسبت
یوں لکھتے ہیں ولم یکن ماہراً بالعلوم الشرعیۃ یعنی ابن خلدون علوم شرعیہ کا ماہر نہ تھا۔ اس سے ثابت ہوا
کہ مورخ تھا۔ علاوہ ازیں ابن خلدون نے لفظ یقال لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن خلدون
خود تو قائل نہیں بلکہ کسی مجہول روایت کا ناقل ہے۔

وقت میں آپ کے مخالفین میں سے ۱۸ حدیثیں کسی کو یاد نہیں تھیں۔ خیال کرو کہ جس
وقت منصور بادشاہ نے آپ کو بلا کر فرمایا کہ تو میری سلطنت کا قاضی بن جا۔ جس پر امام
صاحب نے انکار کیا۔ کیا بادشاہ منصور ایسا دیوانہ تھا کہ تمام سلطنت کے قاضیوں، عالموں
کو چھوڑ کر ایسے شخص کو قاضی سلطنت بناتا ہے کہ جس کو صرف ۱۷ حدیثیں یاد تھیں۔
افسوس جاہلوں کے حسد پر۔ بلکہ ثابت ہوا کہ منصور کے اس قدر وسیع ملک میں اگرچہ
ہزار ہا علماء وفضلاء ومحدث ومفسر ہوں گے مگر امام صاحب کے علمی پایہ کا شخص کوئی نہ تھا۔
اس واسطے تمام بادشاہت میں سے صرف ایک ہی امام صاحب کو منتخب کیا۔ پس اگر ۱۷
حدیثوں والا ہی قاضی بنانا منظور تھا تو معلوم ہوا کہ اس وقت ۱۸ حدیثیں کسی کو یاد نہ تھیں۔
(باقی دیکھو تاریخ ابن خطیب اور خیرات الحسان وغیرہ) پھر آج کل کے ابجد خواں جن کی
تحصیل کا انتہا تقویۃ الایمان وتفسیر محمدی ہے۔ اگر کوئی مشکوٰۃ یا بلوغ المرام پڑھ گیا تو بس
موٹا تازہ ڈبل مجتہد بن گیا۔ منکر تقلید امام ہو تو کیا ڈر ہے۔ نعوذ باللہ من الجاہلین۔ آمین۔
تیسرا یہ کہ یہ بات بھی نہایت ہی غور طلب ہے کہ ایک شخص تابعین یا تبع
تابعین سے ہو اور علم ظاہر و باطن میں یکتا اور علم وعقل میں بے نظیر اور ورع وتقویٰ،
صلاحیت وشرافت میں بے مثل اور اجتہاد ورائے میں سب پر غالب اور مقتدا وہادی بھی
ایسا کہ کل امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی غلام پھر ایسا شخص اگر تو اضعاً وانکسار سے کہہ
دے کہ جس وقت میرا تحقیق کردہ مسئلہ آیۃ یا حدیث کے خلاف ہو تو قبل از فوراً میرے
قول کو توڑ کرو اور اپنی ٹوٹی پھوٹی ناقص عقل پر عمل کرلو۔ تو بولو اس قول کا مخاطب بھی کیا وہ
اردو خوان ہو گا۔ جس نے تفسیر ثنائی کا پاس کیا ہو۔ یا زیادہ سے زیادہ نجات المومنین و پکی
روٹی پڑی ہو۔ حاشا وکلا ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کے مخاطب صرف وہی ہیں جو آپ کے
ہمعصر واہل عقل وفہم، صاحب تقویٰ واحسان ہیں۔ سو اس کے مصداق سوائے آپ کے

تلامذہ اور شاگردوں کے اور کوئی نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صرف حاضرین ہی کو خطاب ہے۔
ورنہ یوں عبارت چاہئے تھی کل من سمع قولی فلیترک بخبر الرسول ۔
حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یوں ہے۔ اترکو اقولی ۔

لطیفہ: حاسدین مخالفین اگرچہ آپ کے نام پاک پر جل کر راکھ ہو جاتے ہیں مگر پھر بھی شکر بجالائیں کہ حضرت امام العالم کو صرف ۱۷ احدیثیں یاد تھیں۔ زیادہ نہ تھیں کیونکہ ۱۷ احادیث کے حافظ کا یہ مرتبہ یہ عزت یہ قبولیت وہ درجہ ہے کہ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک کل امت کے اولیاء علماء صلحاء امراء سلاطین خاص و عام اہل اسلام غلام ہو گئے۔ اگر کہیں چہل حدیث یاد ہوتی تو وہابی رافضی تو درکنار شاید کفار کا وجود بھی نظر نہ آتا۔ ذالک فضل اللہ

چوتھا: یہ کہ مذہب حنفی عبارت ہے، اقوال وارشادات آئمہ ثلاثہ سے یعنی امام اعظم و صاحبین رضی اللہ عنہم سے کیونکہ جس طرح افعال نبویہ وافعال خلفاء اربعہ پر لفظ سنت وارد ہے اسی طرح امام صاحب وصاحبین کے اقوال پر مذہب حنفی بولا جاتا ہے۔ وجہ یہ کہ جس طرح خلفاء اربعہ ۱؎ نے خلاف فعل نبوی کوئی فعل نہیں کیا تو خلفاء کے افعال بھی شامل لفظ سنت ہو گئے۔ اسی طرح امام صاحب کے شاگردوں نے بھی انہی اصول پر بنیاد رکھی جو اصول امام صاحب کے بنا کردہ تھے۔ اس واسطے امام وصاحبین کی تصدیق وتحقیق ایک ہی سمجھی گئی۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رسالہ انصاف میں لکھتے ہیں:

انما عد مذهب ابی حنيفة مع صاحبيه مذهبا واحدا لهدم تجاوزهما الخ۔

یعنی امام صاحب وصاحبین کا مذہب ایک ہی مذہب سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ ہر

۱؎: چونکہ افراد اکمل خلفاء اربعہ ہیں۔ اس لئے بالتخصیص اُن کا ذکر کیا گیا۔ ورنہ کل صحابہ کے افعال اقوال پر لفظ سنت آتا ہے اور کل صحابہ کے افعال ماتحت تھے خلفاء کے اس لئے کل ذکر ضروری نہیں۔

سہ آئمہ کی تحقیق واحد ہے۔ شاگردوں نے کچھ بھی امام صاحب کے خلاف نہیں کیا۔ پس جبکہ آپ کے شاگردانِ رشید جو مجتہد فی المذہب تھے۔ آپ کے قدم بقدم چلے تو اور کون شخص ایسا ہے جو آپ کے شاگردوں سے بڑھ جائے۔ امام بخاری خود تو شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مقابل میں بخاری وغیرہ تو کچھ بھی نہیں۔ البتہ یوں کہنا بجا ہے کہ جو مسئلہ یا تحقیقات امام بخاری علیہ الرحمۃ کے موافق ہے۔ حضرت امام الائمہ سراج الامۃ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے وہ زیادہ تر معتبر و قابل قبولیت ہے اور جو مجتہد یگانہ امام زمانہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے۔ وہ غیر معتبر۔ پس معلوم ہوا کہ قول اترکو اقولی کے مصداق آپ کے شاگرد یا مجتہد ہیں نہ کہ بخاری یا مسلم وغیرہ کیونکہ یہ حضرات مقلد اور صرف محدث تھے۔

پانچواں یہ کہ ہر اک مجتہد کا سلسلہ علم حق کسی نہ کسی صحابی یا جماعت صحابہ تک پہنچتا ہے اور اہل کشف کا اس پر اجماع ہے کہ درحقیقت علوم الٰہی اور خزائن خفی و جلی کے وارث اول و مستحق اعلیٰ تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہیں اور بعد ازاں حضرات مجتہدین و مشائخین تبعاً وظلاً (چنانچہ غیر مقلدوں کے امام مولوی اسماعیل مصنف تقویۃ الایمان اپنے رسالہ منصب امامت صفحہ ۱۴۱ مطبوعہ فاروقی) میں لکھتے ہیں۔

پھر جو شخص زیادہ تر قریب الاقرب ہے (جیسا کہ مجتہدین بالخصوص امام ابوحنیفہ) وہ زیادہ تر حق دار وارث ہے اور جس طرح نبی معصوم ہے۔ ابلاغ میں ویسا ہی مجتہد فی نفس الامر محفوظ ہے۔ خطا سے اور اُس کا اجتہاد بھی قائم مقام نص شارع کے ہوتا ہے کیونکہ مجتہد لوگ بذریعہ کشف بھی اپنی خطا معاف کرا لیتے ہیں۔ اسی واسطے حضرات مجتہدین قیامت کے روز انبیاء کرام علیہم السلام کی صفوں میں کھڑے ہونگے نہ کہ اُمتوں کی صفوں میں۔ جیسا کہ امام شعرانی مالکی اپنی میزان کبرے کے صفحہ ۵، ۲۶، ۲۷، ۶۳،

وغیرہ میں مفصل تحریر فرماتے ہیں اوراس مضمون بالا کی کسی قدر یہ حدیث بھی مؤید ہے۔

عن الحسن البصری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ اذا کان الغالب علی عبدی الاشغال بی جعلت نعمہ ولذتہ فی ذکری فعشقنی و عشقتہ فرفعت الحجاب فیما بینی و بینہ و صیرت بین عینیہ معالما لا یسھوا اذا سھے الناس و اولئک کلامھم کلام الانبیاء و اولئک الابدال حقا ۔(الحدیث، رواہ ابونعیم فی الحلیۃ)

یعنی خدا فرماتا ہے کہ جس وقت میرے بندہ پر میرا ذکر غالب ہو جاتا ہے میں اپنی نعمت ولذت اپنے ذکر میں رکھ دیتا ہوں ۔ پس وہ میرا عاشق ہوتا ہے میں اس کا عاشق ہوتا ہوں پس میرے اوراُس کے درمیان جو پردہ ہوتا ہے اُٹھا دیتا ہوں اوراُس کی آنکھوں میں اسے معلومات رکھتا ہوں کہ جس وقت عام لوگ غلطی کھاتے ہیں وہ غلطی نہیں کھاتا، یہی لوگ تو وہ ہیں جن کی کلام کلام نبیوں کی ہے۔ انہی کوابدال کہا جاتا ہے۔

پس ایسے ایسے بزرگوں اماموں کے قول کوغلط کہنا اور معمولی لوگوں کر پیرو ہو جانا صریح ضلالت وبلاہت ہے اور امام شعرانی میزان میں فرماتے ہیں:

قال الامام شیخ الاسلام زکریا الانصاری وایا کم ان تبادروا الی الانکار علی قول مجتھد او بتخطیۃ . الخ۔ یعنی خبردار کسی مجتہد کے قول پر انکار نہ کرنا یا نسبت خطانہ کرنا۔

ردالمحتار میں ہے:

ولا یخفیٰ ان ذالک لمن کان اھلا للنظر فی النصوص و معرفتہ محکما من منسوخھا . الخ۔ یعنی اتر کواقوالی اُس شخص کے حق میں ہے جس کوعلوم قرآنی پر نظروسیع ہو۔

پنجم: امام شعرانی فرماتے ہیں میزان میں:

فانی بحمد للہ تتبعت مذھبہ فوجدتہ فی غایۃ الاحتیاط والورع لان الکلام صفۃ المتکلم وقد اجمع السلف والخلف علی کثرۃ ورع الامام و کثرۃ احتیاطا تہ فی الدین و خوفہ من اللہ تعالیٰ الخ .

وقال لما الفت کتاب ادلی ادلہ المذاھب فلم اجد قولا من اقوالہ و اقوال اتباعہ الا وھو مستند الی ایۃ او حدیث او اثر اوالیٰ مفھوم ذالک او حدیث ضعیف کثرت طرقہ . الخ.

یعنی حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب اوراُن کے شاگردوں کے اقوال کی نسبت میں نے بہت ہی جستجو کی تو پایا میں نے امام صاحب کے مذہب کونہایت ہی احتیاط و پرہیزگاری میں خوب عمدہ اوراجماع کیا ہے تمام سلف وخلف نے امام صاحب کے کثرت احتیاط اور تقویٰ پردین میں اوراُن کے اقوال کو میں نے نہیں پایا مگر یا وہ مستند ہے ساتھ آیت کے یا حدیث کے یا اثر صحابی کے یا کسی ایسی حدیث ضعیف کے جو کثرت طرق سے مروی[1] ہو اور جس وقت خلیفہ ابوجعفر منصور نے امام صاحب کی طرف لکھا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم حدیث پر قیاس کو غالب رکھتے ہو آپ نے جواب میں لکھا۔

لیس الامر کما بلغک یا امیر المومنین انما اعمل اولا بکتاب اللہ بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم اقضیہ بابی بکر و عمر و عثمان و علی ثم اقضیہ بقیۃ الصحابۃ رضی اللہ عنھم ثم اقیس بعد ذالک اذا اختلفوا ۔

یعنی ایسا نہیں بلکہ میں پہلے قرآن سے پھر حدیث سے پھر خلفاء اربعہ کے

---

[1]: انہ کان یقول ضعیف الحدیث احب الی من آراء الرجال (جواہر منیفہ)

اقوال سے پھر دیگر صحابہ کرام کے اقوال سے فیصلہ کرتا ہوں۔ اگر ان سب میں سے نہ ملے تو قیاس کرتا ہوں۔ کمافی المیزان وغیرہ۔ اب ایسا شخص جب بادشاہ کو اس قسم کا جواب صاف لکھے تو پھر بادشاہ نے یہ نہ کہا کہ فلاں فلاں مسئلہ تمہارا فلاں فلاں حدیث کے خلاف ہے یا اُس سلطنت کے علماء نے بادشاہ کو یہ نہ کہا کہ اس امام سے پوچھو کہ فلاں مسئلہ جو مخالف حدیث ہے اس کا ثبوت کہاں اور کس حدیث میں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اگر کوئی مسئلہ آپ کا خلاف حدیث وقرآن ہوتا تو ضرور بادشاہ وقت یا علماءِ وقت آپ کو فوراً گرفت کرتے خصوصاً جبکہ بادشاہ آپ کا دشمن بھی ہو۔ تو معلوم ہوا کہ آپ کا کوئی مسئلہ قرآن وحدیث کے خلاف نہیں۔ پس جبکہ آپ کا کوئی مسئلہ بھی آپ کے وقت میں غلط وخلاف ثابت نہ ہو تو اس وقت کون احمق اُن کی غلطیاں نکال سکتا ہے۔ اب نتیجہ یہ نکلا کہ اتر کو قولی محض تواضعاً فرمادیا ہے جیسا کہ بزرگوں کا دستور ہے۔

ششم: یہ کہ جن کو اس قول پر عمل درآمد کرنے کی لیاقت وطاقت تھی اور جن کو اجتہاد کا ملکہ وتفقہ کا مادہ خدا نے عنایت فرمایا تھا۔ انہوں نے بھی مطلقاً مخالفت نہ کی۔ چنانچہ حضرت امام وقت قاضی القضاۃ ابو یوسف فرماتے ہیں:

ا: بلکہ امام شعرانی یہ ایک عجیب واقعہ تحریر فرماتے ہیں۔ جاء سفیان الثوری و مقاتل و ابن حبان و حماد ابن سلمة و جعفر ن الصادق و غیر ھم من الفقھآء الی ابی حنیفة فقالوا انت سید العلماء فاعف عنا عن وقیعتنا فیک من غیر علم فقال غفر اللہ لنا ولکم اجمعین (میزان) یعنی ایک روز حضرت سفیان ومقاتل وحماد وجعفر رضی اللہ عنہم امام صاحب کی خدمت میں تشریف لائے اور فرمایا کہ اے شخص تو تمام علمائے وقت کا سردار ہے جو کچھ آپ کی نسبت ہم سے کوئی لغزش واقع ہوئی ہے آپ ہم کو معاف کریں۔ آپ نے جواب دیا کہ خدا ہم کو اور تم کو بخش دے۔ اب خیال فرمائیں کہ کیا یہ اس شخص کا مرتبہ ہے جس کو ۱۷ حدیثیں یاد تھیں۔ حاشا وکلا۔ پس معلوم ہوا کہ آپ اپنے وقت میں سردار تھے تو بعدازاں کون شخص ان سے اعلم وافقہ ہوگا۔

ما خالفت فی شی فتد فقد برته الا رایت مذهبه الذی ذهب الیه انجی فی الاخرة و کنت ربما ملت الی الحدیث فکان هو ابصر بالحدیث الصحیح کما فی رد المحتار وغیره . وقال ابو یوسف ما رایت اعلم بتفسیر الحدیث من ابیحنیفة و کان ابصر الحدیث کما فی خیرات الحسان

یعنی کبھی جب میں نے امام صاحب کے ساتھ کسی مسئلہ میں کچھ خلاف کیا تو فوراً غور وخوض کے بعد معلوم ہوا کہ امام صاحب کے مذہب میں زیادہ وجہ نجات حاصل ہے اور میں نے کسی کو زیادہ عالم بالحدیث اور صاحب بصیرت فی الحدیث امام صاحب سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔

امام شعرانی صفحہ۵۱ میں لکھتے ہیں۔ ونقل عن اصحاب ابیحنیفة کابی یوسف و محمد وزفر والحسن انهم کانوا یقولون ما قلت قولا فی مسئلة الا وهو روایتنا عن ابیحنیفة واقسموا علی ذالک ایمانا مغلظة

یعنی ہمارا (شاگردوں کا) کوئی قول کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو امام صاحب کے خلاف کہا ہو بلکہ وہ ہمارا قول بھی امام سے ہی مروی ہے۔ یہ بیان اصحاب ابوحنیفہ کے حلفاً کہتے تھے۔

کذا قال السید العلامة ابن عابد فی ردالمحتار عن حاوی و قدوسی وغیرهما

ہفتم: یہ کہ بڑے بڑے آئمہ کرام وصلحائے عظام باوجود اہل کشف وذی مراتب وذی فہم ہونے کے بھی مقلد ہی رہے اور ایک مذہب سے دوسرے مذہب پر جانا نہایت بُرا سمجھتے رہے جیسا کہ حضرت امام ربانی غوث صمدانی محی السنۃ قامع البدعۃ جناب شیخ احمد صاحب فاروقی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ جن کے مکتوب شریف پر مخالفین کا ایمان بھی

ہے۔اپنے مکتوب نمبر ۳۱۲ جلد اول میں لکھتے ہیں:

"ما مقلدان را نمیرسد کہ بمقتضائے حدیث عمل نمودہ جرأت در اشارہ نمائیم اگر کسے گوید کہ ما علم بخلاف دلیل آں داریم۔ گوئیم کہ علم مقلد در اثبات حل وحرمت معتبر نیست دریں باب ظن مجتہد معتبر است۔ احادیث را ایں اکابر بواسطہ قرب و وفور علم و حصول ورع وتقویٰ از ما دور افتادگان بہتر میدانستند وصحت وسقم ونسخ وعدم نسخ آنہارا بیشتر از ما میشناختند آنچہ از امام اعظم رضی اللہ عنہ مروی است کہ اگر حدیثے مخالف قول من بیابید بر حدیث عمل نمائید مراد ازاں حدیثے است کہ بحضرت امام نہ رسیدہ باشد و بنا بر عدم علم ایں حدیث بخلاف آں فرمودہ است واحادیث اشارہ سبابہ ازیں قبیل نیست۔

یعنی تشہد میں اُنگلی اُٹھانا اگر کسی حدیث سے ثابت بھی ہو تو پھر بھی ہم مقلدوں کو یہ طاقت وجرأت نہیں کہ تقلید کو ترک کر کے حدیث پر عمل کریں۔ یعنی تشہد میں انگلی اُٹھانا جائز نہیں۔ افسوس ہے غیر مقلدوں پر جو کہ آپ کے مکتوب شریف کو پیش کو کے کہتے ہیں کہ آپ نے مولود شریف سے منع فرمایا ہے۔ حالانکہ آپ نے ہرگز منع نہیں فرمایا! اور اس مکتوب میں صاف رفع سبابہ سے منع فرمایا ہے تو اس پر کوئی غیر مقلد عمل نہیں کرتا۔

یہی حضرات امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوبات شریف جلد ثانی میں تحریر فرماتے ہیں۔

مثل روح اللہ مثل امام اعظم کوفی است کہ ببرکت ورع وتقویٰ و دولت متابعت سنت درجہ علیا در اجتہاد یافتہ است کہ دیگراں در فہم او عاجز اند و او را اصحاب الرای پندارند کل ذالک لعدم الوصول الی حقیقة علمه و درایته و عدم الاطلاع علی فهمه و فراسته بے شائبہ گفتہ شود کہ نورانیت مذہب حنفی بنظر کشفی در رنگ دریائے عظیم مینماید و سائر مذاہب حیاض وجداول نظر مے آید۔ ناقصان چند احادیث

را یاد گرفتہ اند و احکام شرعیہ را دراں منحصر ساختہ ما ورا معلوم خود را نفی مینمایند۔

چو آں کرمیکہ در سنگے نہان است..... زمین و آسمان وے ہمان است الخ

غرضکہ امام ربانی صاحب کے نزدیک حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مرتبہ سب اماموں اور محدثوں سے بڑھ کر ہے۔ پس ایسے شخص کا فرمانا کہ میرے قول کو بمقابلہ حدیث ترک کرو۔ کیا اس کا مخالف وہ شخص ہے جو جامع علوم ظاہری و باطنی ہو یا کہ دیہاتی ترجمہ خوان یا زینت الاسلام کا عالم یا کوئی محدث جدید بلوغ المرام کا حافظ۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

ہشتم: اگر کوئی مجتہد فی المذہب بوقت ضرورت بفحوائے الضرور تبیح المحظورات کسی مسئلہ میں خلاف امام کا کرے تو وہاں پر یہ ضرور نہیں کہ حق پر وہی شخص ہے جو خلاف کرے بلکہ یہ زیادہ احتمال ہے کہ امام حق پر ہو اور یہ شخص خلاف حق پر ہو۔ پھر بالفرض اگر ہو بھی تو ایک آدھ شخص کا ایک دو مسئلہ میں خلاف کرنا وجوب تقلید کو منافی نہیں۔ نہ ایسا شخص اپنے آپ کو غیر مقلد کہلائے گا بلکہ مقلد ہی کہلائے گا اور ایک دو مسئلہ میں خطا مجتہد سے ممکن الوقوع ہے مگر یہ پھر بھی نہ ہوگا کہ آج کل کے محدث مشکوٰتی (بے علم) اُٹھ کر ہر اک امام کو خاطی و ناسی بیان کریں اور اپنی تقلید میں لوگوں کو بے دین بنا دیں۔ چنانچہ محی الدین نومسلم لاہوری اور دیگر اُن کے ہم مشرب نے بڑی جدوجہد سے تمام لوگوں کے کان میں یہ ٹپکا دیا کہ اگر تمام دنیا میں کوئی مذہب سراسر غلط و بے ثبوت ہے تو وہ مذہب حنفی ہے۔ اگر کوئی شخص اَن جان ہے تو ابوحنیفہ ہے۔ (نعوذ باللہ منہم) اس میں شک نہیں کہ امام صاحب کے دشمن تو آپ کے وقت میں بھی بہت دہریہ خارجی وغیرہ تھے۔ اب بھی ہوں تو تعجب نہیں کیونکہ سلطنت انگلشیہ میں تو گمراہ وملحد وزندیق ومرتد لوگ زیادہ خوش ہیں، بہ نسبت مسلمانوں کے۔ غرضکہ اگر کسی مسئلہ میں کسی مجتہد فی المذہب نے تقلید

کو علیحدہ کرلیا تو یہ بوجہ ضرورت جائز ہے اور اس کی اجازت قرآن مجید ۱ میں بھی ہے۔

فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ (پارہ ۲، سورہ بقرہ، آیت ۱۷۳) مگر اس ضرورت کو وہ شخص محسوس کرسکتا ہے۔ جو اجتہاد کے درجہ پر جائز ہو نہ بخاری و مسلم جیسے اور لطف یہ کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تحقیقات کو کسی نے غلط نہیں کہا۔ ہاں شاید کسی حاسد و متعصب نے کہا ہو تو تعجب نہیں ہے۔

نہم: مولوی رشید احمد گنگوہی جو کہ غیر مقلدوں اور مقلدوں میں مشترک الخیال ہیں خصوصاً غیر مقلدین اُن کے قول کو نہایت ہی قوی و معتبر جانتے ہیں۔ اس لئے صرف اُن کو قولی کے متعلق جو اُن کا قول ہے وہ عرض کرتا ہوں تاکہ غیر مقلدین اگر ہمارے قول کو حسداً و عناداً نہیں مانتے تو اُن کے قول کو تو ضروری تسلیم کریں گے۔ وہ یہ ہے۔ (رسالہ سبیل الرشاد صفحہ ۲۷)

ہمارے قول کو بوجہ مخالفت حدیث کے ترک کرو اور اس قول سے غیر مقلدین ردِ تقلید پر دلیل پکڑتے ہیں۔ تو واضح ہو کہ یہ نہایت ہی کم فہمی ہے اُن لوگوں کی کیونکہ اول بندہ لکھ چکا ہے کہ جو قیاس مخالف جملہ نصوص ہو وہ بالاتفاق فاسد ہے تمام علماء کے نزدیک۔ پس آئمہ علیہم الرحمۃ نے اپنے اپنے تلامذہ (شاگردوں) کو جو بڑے بڑے عالم متبحر و محدث کامل تھے۔ فرمایا تھا کہ اگر تم کو ہمارے قیاس کا فساد نصوص سے معلوم ہو جائے تو اُس کو رد کردینا ہمارا ادب و خیال کچھ نہ رکھنا تو یہ وجہ ہے کہ مجتہد سے خطا بھی ہو جاتی ہے۔ اگر بعد سعی و جد و جہد کے خطا بھی ہوگئی ہو تو پھر بھی اُس کو ایک اجر ملتا ہے۔ چنانچہ حدیث سے یہ ثابت ہو چکا ہے اور مجتہد سے خطا بھی اسی طرح ہوتی ہے۔ ورنہ

۱: اب اگر کسی حرام چیز کو اس آیت کے مطابق ایک وقت میں جائز کیا تو کیا پہلی آیات جو حرمت اشیاء پر دال ہیں وہ ٹوٹ گئے ہیں یا بیکار ہوگئی ہیں۔ یا وہ حکم غلط ہوگیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح ایک وقت میں اگر کسی مجتہد فی المذہب نے امام کے خلاف عمل کیا تو کیا وجوب تقلید کو مانع و منافی ہے ہرگز نہیں۔

معاذ اللہ جان کر کون مقلدین خلاف کہتا ہے۔ پس اگر خطا تحقیق سے معلوم ہو جائے تو اُس کو رد کرنا ضروری ہے۔ پس اُن کے اس قول سے بھی ثابت ہوا کہ جس قول میں ہماری خطاء معلوم ہو جائے تو اس کی تقلید مت کرو اور جس میں خطاء ثابت نہ ہو اُس کی تقلید ضروری ہے کیونکہ وہ عین حکم الٰہی ہے۔ عند المجتہد اور عند المقلد۔ مگر یہ تو نہیں فرمایا کہ کسی ایک عالم نے بھی اگرچہ ہمارا قول ایک دو حدیث کے موافق ہو اور ایک حدیث کے مخالف ہو جب بھی ترک کردینا۔ کیونکہ یہ تو ہرگز حلال نہیں۔ اس واسطے کہ مجتہد وقت اختلاف کی کسی وجہ ترجیح سے ایک جانب کو مرجح کرکے حکم دیتا ہے۔ پس اس وقت ایک حدیث کو کسی وجہ سے مرجح کرکے اس کے موافق فرمایا تو اُس کا رد کرنا عین حدیث کا رد کرنا ہے اور یہ کسی متدین کے نزدیک حلال نہیں پس ان لوگوں کا اس قول سے کیا مطلب حاصل ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ اقوال مفتیٰ بہا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مثلاً یا دیگر آئمہ علیہم الرحمۃ کے سب اقوال ایسے ہی ہیں کہ اگر ایک حدیث کے مخالف بظاہر ہیں تو دوسری نص کے مطابق ہیں۔ تو کسی کو کب گنجائش ہے کہ اُس کا رد کرے کیونکہ اُس کا رد کرنا تو عین قول اللہ یا قول رسول اللہ ﷺ کا رد کرنا ہے۔ لہذا یہ لوگ (غیر مقلد) محض کم فہمی کی بات کرتے ہیں۔ نہ ان کو سلیقہ ترجیح کا نہ ان کو نظر جملہ نصوص پر محض سنی سنائی احادیث یا ترجمہ مشکوٰۃ کو دیکھ کر عامل بالحدیث ہو گئے تو ایسے جہال کو تو اپنے اقوال رد کرنے کی اجازت انہوں نے نہیں دی تھی کہ:

(۱) نہ تمیز ناسخ و منسوخ کی رکھتے ہیں۔

(۲) نہ صحیح و سقیم کی۔

(۳) نہ وجہ مخالفت کی خبر۔

(۴) نہ وجوہ ترجیحات سے مطلع۔

(۵) نہ وجوہ دلالت سے واقف

(۶) نہ عللِ نص سے آشنا

(۷) نہ محاورات کلام عرب کے فہم کا حوصلہ

(۸) نہ جملہ مرویات کا احاطہ

(۹) نہ فہم کتاب وحدیث کا سلیقہ جو عمل بالحدیث کے واسطے ضروری ہے کہ بدوں اُس کے تقلید واجب ہے کسی عالم کی۔

پس قیامت ہے کہ ایسے نااہل آئمہ کے قول کو اپنے فہم سے ترک کر کے عامل بالحدیث ہوں۔ایسی حالت میں تو خود قرآن وحدیث کے ہی وہ رادو مکذب ہیں (یعنی غیر مقلد) اور عناد آئمہ اور اپنے اجتہاد ناصواب کے زعم میں اپنے ایمان ہی کو (غیر مقلدین) سلام کر بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب کے کلام سے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ الحاصل یہ فرمانا آئمہ کا اپنے وقت کے علماء متبحرین حاضرین کو تھا یا بعد کے بھی علماء کو مگر اُنہی کو جو احاطہ اخبار اور درجہ اجتہاد وترجیح رکھتے ہیں نہ جہلاء کو کہ علم وفہم سے عاری ہوں۔سو اس قول (اُتر کو قولی) کو عدم تقلید پر حجت لانا کمال سفاہت ہے بلکہ یہ تو حکم تقلید کا ہی فرمایا تھا کہ ہمارے اقوال کی ہی تقلید کرنا کیونکہ ہم نے عین نصوص کا ہی مطلب ظاہر کیا ہے مگر اہل اجتہاد عالم کو اگر خطا ہماری معلوم ہو جائے تو اُس کی تقلید نہ کرنا نہ یہ کہ جہلاء بھی اپنے فہم ناصواب سے زبان دراز کریں۔پھر وہ کون سا مسئلہ ہے کہ اُس پر نص سے کوئی صراحت دلالت اشارت نہیں۔الا ماشاء اللہ۔ بلکہ سب مسائل پر علماء مقلدین نے بحث وکلام کر کے محقق فرمایا ہے۔اگر چہ جہلا کو خبر نہیں۔بہر حال اس قول (اتر کوا قولی) سے تقلید رد نہیں ہوتی ۔ بلکہ اثبات ہوتا ہے۔خدا تعالیٰ ایسے کم فہموں کو ہدایت فرمائے۔الحاصل تقلید مطلق جو شخصی وغیر شخصی دونوں کو شامل ہے کتب وسنت سے

ثابت ہوئی اور ہمیں کتاب وسنت میں حکم نہیں فرمایا کہ عالم سے سوال کا جواب بلا دلیل قبول ومعمول نہ کرے اور اس پر صحابہ علیہم الرضوان کے عہد میں عملدرآمد رہا کہ سائل نے سوال کیا اور اُس کا جواب حسب حال سائل کے بادلیل یا بلا دلیل دیا گیا اور سائل نے اس پر عمل کیا۔

حجۃ اللہ البالغہ میں شیخ الشیوخ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

وکان ابن عباس بعد عصر الاولین فنا ققهم فی کثیر من الاحکام وابتعه فی ذالک اصحابه من اهل المکة ولم یا خذ بما تفرد جمهور اهل الاسلام ۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب مکہ معظمہ میں اقامت فرمائی تو بہت سے مسائل میں دیگر بعض صحابہ سے خلاف فرمایا اور اُن کے فتاویٰ کو اہل مکہ نے قبول کر کے عمل کیا تو محل خلاف صحابہ میں ایک ابن عباس کے قول پر عمل کرنا نہ دیگر اقوال پر۔یہی تقلید شخصی ہے کہ محل اختلاف میں فقط ابن عباس کے قول کو معمول بہ رکھا اور یہی شاہ صاحب مذکور فرماتے ہیں:

ثم انهم تفرقوا فی البلاد و صار کل واحد مقتدی ناحیة من النواحی و کثرت الوقائع و دارت المسائل فاستفتوا فیها فاجاب کل واحد حسب ما حفظه او استنبطه وان لم یجد فیما حفظه او استنبطه ما یصلح للجواب اجتهد برایه . الخ ۔

اس عبارت سے بھی واضح ہوا کہ صحابہ نے جس موضع میں اقامت فرمائی اور کثرت وقائع میں سوال اُن سے کیا گیا تو محفوظ یا مستنبط سے جواب دیا گیا۔ورنہ اپنے اجتہاد سے حکم دیا گیا تو جوابات اجتہادیہ ومستنبطہ کا فرمانا اور سائل کا قبول کرنا تقلید ہے

اور اُسی صحابی مقیم بلد سے سب اپنے وقائع کا پوچھنا اور قانع ہونا تقلید شخصی ہے۔

اور فرماتے ہیں:

وكان ابراهيم و اصحابه يرون ان ابن مسعود و اصحابه اثبت الناس في الفقه كما قال علقمة لمسروق هل احد منهم اثبت من عبدالله

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ ابراہیم واصحاب اُن کے عبداللہ بن مسعود اور اُن کے اصحاب کو محل اختلاف میں مرجح رکھتے تھے اور اُن کی فقہ کے مقابل دوسرے کو نہ مانتے تھے۔ یہ تقلید شخصی نہیں تو کیا ہے کہ ایک عالم کو اعلم اور فقیہہ جان کر اس کے مقابلہ میں دوسرے کے حکم کو معمول نہ کرے جیسا کہ حنفیہ کرام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو اور شوافع حضرت شافعی علیہ الرحمۃ کو مثلاً جانتے ہیں اور یہ بھی کتب احادیث سے واضح ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم نقل حدیث سے بہت احتیاط واجتناب کرتے تھے۔ مگر بحکم من سئل عن علمه ثم كتمه الجم يوم القيمة بلجام من النار (الحديث) جواب مسئلہ سے نہ انکار کرتے تھے تو بالضرور جواب اُنکے محض جواب سوال ہوتے تھے بلا دلیل جس کو تقلید کہتے ہیں اور بیان یا حجت نہیں ہوتے تھے اکثر کیونکہ نقل حدیث سے وہ خود بھی ڈرتے تھے۔

سنن ابن ماجہ میں منقول ہے:

عن عمرو ابن ميمون قال ما اخطانی ابن مسعود عشية خميس لا تية فيه قال فما سمعته يقول لشئ قط قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ۔(الحديث)

اور زید بن ارقم سے نقل کیا ہے کہ فرمایا:

كبرنا و نسينا والحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

اور اسی طرح شدید اور شعبی فرماتے ہیں:

جالست ابن عمر سنة فما سمعته يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئا ۔ (الحديث)

ان احادیث سے صحابہ کا فتویٰ دینا واقعات میں اور نہ نقل کرنا احادیث کی روایات کو ہر ہر جواب میں جب معلوم ہوگیا تو اب تقلید صحابہ کی قول کی کرنا اور صحابہ کا اُس کو جائز رکھنا اور ہر اک بلد کا اپنے اپنے صحابی مقیم بلد سے ہی پوچھ کر قناعت کرنا اگر تقلید شخصی نہیں تو کوئی عاقل کہے کہ کیا ہے؟ پھر تقلید شخصی خیر القرون میں ہونے کے نہ معلوم کہ جہال زمانہ کے نزدیک کیا معنی ہونگے۔ مگر ہاں اُس وقت میں جیسی شخصی جاری تھی ویسے غیر شخصی بھی معمول تھی۔ اس کا انکار کوئی نہیں کر سکتا کہ وہ زمانہ خیر وصلاح کا تھا اور ہوائے نفس سے وہ قرون خالی تھے۔ اس غیر شخصی سے کوئی فساد نہ تھا اور نہ اندیشہ فساد تھا اور بہ سبب ہر دو نوع تقلید کے مامور من اللہ ہونے کے ایک کو دوسرے سے جانا جاتا تھا۔ کسی کو کسی پر اعتراض نہ تھا پھر بعد اُس کے طبقہ تابعین و تبع تابعین میں قیاس واجتہاد کا زور تھا۔

خود در روز روشن کی طرح سب کو معلوم ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ تابعی[1] ہیں علی التحقیق اور ان کی ولادت ۸۰ھ اور انتقال ایک سو پچاس میں ہوا۔ اس اثناء میں ان کے استنباطات اور ہزار ہا آدمی کا اقتداء ان کے مسائل کا معلوم ہر خاص و عام کو ہے اور امام مالک صاحب ۹۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ میں انتقال فرمایا۔ اس عرصہ میں اُن کے اجتہاد کا چرچا رہا۔ ہزار ہا لوگوں نے اُن کی تقلید کی اور امام شافعی علیہ الرحمۃ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں انتقال فرمایا۔ اس عرصہ میں ان کی تقلید بھی ہزار ہا لوگوں نے کی اور امام احمد صاحب ۱۶۴ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں انتقال فرمایا ان کی تقلید بھی ہزار ہا آدمیوں نے کی اور سوائے اس کے امام سفیان ثوری و ابن ابی لیلیٰ

[1]: دیکھو تاریخ ابن خلکان اور تاریخ خطیب بغدادی اور تذکرۃ الموضوعات دار قطنی وغیرہم۔

واوزاعی وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین بھی مجتہد ہوئے اور ہزار ہا آدمی اُن کے مقلد ہو گئے مگر بالآخر سب مذاہب مندرس ہو کر یہ چار مذہب عالم میں شائع ہوئے اور آج تک جاری ہیں اور کروڑوں علماء وفقہاء ومحدثین ان کی تقلید کرتے تھے۔ پس ہر کور بصیرت پر روشن ہو جاتا ہے کہ خیر والقرون میں تقلید شخصی وغیر شخصی دونوں بلاشک جاری رہیں اور صحابہ و تابعین وتبع تابعین کے طبقات میں کسی نے شخصی کو حرام وشرک یا مکروہ یا بدعت نہیں کہا اور کیونکر ہوسکتا ہے کہ جس امر کو کتاب وسنت فرض واجب فرمائے اُس کو کوئی اہل حق رد کرے۔ یہ کام بددین جاہل کے سوا کوئی نہیں کرسکتا اور شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اعلم ان الناس کانوا قبل المائۃ الرابعۃ غیر مجتمعین علی التقلید الخاص المذاہب واحد بعینہ الخ۔

تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تقلید بھی تھی اور ایک مذہب کی تقلید کو بھی جائز ومعمول کرتے تھے۔ معہذا دوسرے مذہب والے سے بھی مسئلہ دریافت کر لیتے تھے کہ ہر دو قسم کے جائز ومعمول رکھتے تھے۔ اس عبارت سے عدم جواز تقلید شخصی کا ہرگز معلوم نہیں ہوسکتا۔

معہذا ہم کہتے ہیں کہ اگر غیر شخصی کا عملدرآمد ہو بھی تو اُن کے نزدیک عدم جواز شخصی کہاں سے ثابت ہوسکتا ہے۔ بہرحال چونکہ وہ زمانہ خیر کا تھا اور نفوس اُس وقت کے مسلمانوں کے ہوائے نفسانی اور اعجاب برابہ سے مزکی تھے تو غیر شخصی پر عملدرآمد کرنے سے کوئی جرح نہ تھا اور علماء کی کثرت ہر جگہ تھی اور عوام کے بھی معلومات اُس وقت اکثر علماء سے زیادہ تھے۔ لہذا وہ چنداں محتاج تقلید نہ تھے۔ بلکہ اپنے آباؤ اجداد سے اکثر مسائل سمجھے بوجھے ہوتے تھے اور شیوع مجتہدات مسائل کا بھی اس قدر نہ تھا جس قدر اب ہے تو ایسی حالت میں اگر اجتماع جملہ عوام وخواص کا ایک مذہب پر نہ ہوا تو کچھ حرج نہیں لاتا اور نہ اندیشہ فساد وفتنہ ونزاع تھا۔ معہذا سہولیت حصول جواب بھی ہر اک مفتی سے

دریافت کرنے میں تھی اور شخصی سے کچھ انکار نہ تھا کہ ہر دو نوع تقلید پر عمل برابر جانا جاتا تھا اور باوجود اس کے کے عندالاختلاف اعلم وافقہ کی طرف توجہ زیادہ ہوتی تھی۔ پس اس کلام سے عدم جواز شخصی کا ہرگز مفہوم نہیں ہوتا حالانکہ خود شاہ صاحب پس وپیش اس کلام کی تقلید شخصی کا اثبات اور اس کے متضمن مصالح ہونے کے معر ہوتے ہیں۔ پس اس سے عدم جواز تقلید شخصی کا سمجھنا نہایت ہی بلاہت ہے۔ الغرض بعد ثبوت اس امر کے کہ یہ مسئلہ اپنے امام کا خلاف کتاب وسنت ہے ترک کرنا ہر مومن کو لازم ہے اور کوئی عامی بعد وضوح اس امر کے اس کا منکر نہیں مگر عوام کو یہ تحقیق ہی کیونکر ہوسکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ اپنے جہل پر اعتماد کر کے ترجمہ دیکھ کر عالم بن کر معترض ہو یا کسی عالم زمانہ سے جس کو معتبر جانتا ہے سن کر جان لے تو پھر یہ وہی تقلید ہوگی جس کو بزعم خود شرک جانتا ہے۔

پس خلاصہ جواب یہ کہ ہر دو نوع تقلید کتاب وسنت وفعل صحابہ سے وتبع تابعین سے ثابت ہے اور بدون ہوائے نفسانی کے خاص کر لوجہ اللہ تعالیٰ خواص کو عمل ہر دو پر درست ہے اور عوام اہل حجاب (غیر مجتہد) پر غیر شخصی موجب ان کے اضلال کا ہے۔ بسبب اُن کے فساد طبیعت کے نہ فی حد ذاتہ کہ وہ مامور ہے۔ لہذا شخصی کا ارتکاب اولیٰ ہے اور مصالح عدیدہ پر مشتمل ہے اور طعن کرنا تقلید مطلق یا نوع شخصی پر جہل وضلال ہے

انتہیٰ بقدر الحاجۃ

الحمد للہ: کہ تقلید شخصی کے وجوب پر جس قدر آیات کریمہ واحادیث نبویہ سے امداد ملی۔ یہ محض فضل ربی وعنایت ایزدی کا ہی کام ہے۔ جس قدر اہل عقل وارباب خرد کے واسطے ضروری دلائل تھے وہ ہم نے بالترتیب بیان کردیئے ہیں اور ادلہ شرعیہ کے ضمن میں اقوال علماء متقدمین وسلف صالحین بھی بقدر ضرورت لکھے گئے تاکہ آیات واحادیث مذکورہ کی بہ عمدگی تشریح وتوضیح ہو جائے۔ اب بھی اگر کوئی کور باطن جاہل مرکب ضدی باز

نہ آئے اور تقلید کو ترک ہی کرتا چلا جائے اور کسی کی نہ سنے نہ سمجھے تو ایسے شخص کو دشمن دین دشمن حق دشمن اہل اسلام سمجھ کر اُس سے کنارہ کش ہو جاؤ ۔ نہ اُس کو سچا مسلمان جانو نہ اُس کے پیچھے نماز پڑھو، نہ اُس کو اپنا پیشوا بناؤ ۔ ہاں اگر تم بھی نیم رحنفی یا منافق ہو تو اُس سے ملو ۔ اب ہماری نیت ہے کہ بعض جہال بے علم کے اعتراضات کا جواب دیا جائے تا کہ مخالفین اہلسنت والجماعت کے دلوں میں حسرت وارمان رہ جائے ۔

سوال: خدا فرماتا ہے: ان الحکم الا للہ (پارہ ۷، سورۃ انعام، آیت ۵۷ و پارہ ۱۳، سورۃ یوسف، آیت ۶۷)

یعنی خدا کے سوا کوئی حاکم نہیں پس تقلید امام کی اُڑ گئی ۔

جواب: للہ کی قید سے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی باہر نہیں تو آپ کے خیال سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید بھی اُڑ گئی ۔

سوال: اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ ۔

(پارہ ۱۰، سورۃ توبہ، آیت ۳۱)

یعنی یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء وصوفیوں کو اپنا رب پکڑ لیا ہے اور ابن عدی نے کہا کہ ہم تو خدا نہیں پکڑتے ۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم اُن کے حلال کردہ کو حلال اور اُن کے حرام کردہ کو حرام نہیں جانتے ؟ اُس نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے فرمایا یہی رب پکڑنا ہے ۔ مسلمان بھی اماموں کے حلال وحرام کو حلال حرام جانتے ہیں ۔ لہذا تقلید ترک ہے ۔

جواب: اس آیت کے متعلق بڑی بڑی غیر مقلدوں کے گورو گنٹھال غلطیاں کہا چکے ہیں ۔ مثلاً: نذیر حسین دہلوی و محمد سعید بنارسی و فاضل پنجابی و بھوپالی وغیرہ ۔ کیونکہ امام صاحب کے ساتھ عداوت اُن کے نزدیک عبادت سے بڑھ کر ہے ۔ اس واسطے وہ

غلطیاں کھاتے گئے ۔ واضح رہے کہ اہل اسلام نے امامانِ دین کو صرف مبلغ احکام ومبین اصرار و دقائق دینیہ سمجھ کر اپنا امام بنایا ہے اور یہود و نصاریٰ کے پیشوا تو حلال [۱] و حرام اپنی طرف سے مقرر کرتے تھے اور اپنی طرف سے کسی چیز کا حلال یا حرام مقرر کرنا کفر ہے ۔ لہذا اُن کے پیشواؤں کو کافر اشد کہا گیا ہے ۔ یعنی معنی ہیں رب پکڑنے کے ۔ اب غیر مقلدین سے کوئی پوچھے کہ کیا امامانِ دین نے اپنی طرف سے حلال وحرام مقرر کیئے ہیں ۔ اگر اپنی طرف سے حلال وحرام کیئے ہیں تو گویا غیر مقلدوں کے نزدیک سب امامانِ دین (نعوذ باللہ من ذالک) کافر ہوئے ۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہ آیت بار بار پیش کرتے ہیں ۔ اگر یہی بات ہے تو غیر مقلدوں کو مسلمان کہنا بھی کسی مسلمان کا کام نہ ہوگا پھر مشکل زیادہ یہ پڑے گی کہ احبار کہتے ہیں مولوی کو تو اب جاہل بے علم غیر مقلدین جب کسی چیز کو حلال یا حرام کہیں گے تو کسی نہ کسی اپنے گورو مولوی سے ہی پوچھ کر سمجھ کر کہیں گے تو ثابت ہوگا کہ سب غیر مقلدوں کے مولوی مشرک و بے دین اور آیت مذکورہ کے مصداق ہیں ۔ افسوس صد افسوس! تقلید کی تردید میں ایسی آیتیں پیش کرتے ہیں جن کو تقلید سے کوئی بھی علاقہ نہیں ۔ پھر محض ضد و نفسانیت سے مقلدوں کو مشرک بناتے ہیں ۔ فنعوذ باللہ منہم ۔ خدا سب کو ہدایت کرے ۔ آمین ۔ پھر یہ تو کوئی دشمن ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بتائے کہ امام صاحب نے یا کسی امام نے کون سا مسئلہ دربارہ حلال وحرام بیان فرمایا ہے کہ جو برابر قرآن وحدیث کے خلاف ہے اور اُس پر کوئی شرعی دلیل امام کے پاس نہیں یا اگر ثبوت ہے تو امام نے قصداً برخلاف فرمایا ہے ۔ اگر تمام نجدی مل کر کوشش کریں تو کبھی نہ ملے گا ۔ اصل بات یہ ہے کہ اماموں نے جو حلال یا حرام یا مکروہ وغیرہ بیان فرمایا ہے وہ قرآن وحدیث سے نکال کر بیان فرمایا ۔ نہ کہ اپنے دل سے ۔ پس

[۱] دیکھو تفسیر بیضاوی جلد اوّل صفحہ ۲۳۲ ۔

امام کی اتباع عین قرآن و حدیث کی اتباع ہے اور مسلمانوں کے پیشواؤں کو یہود و
نصاریٰ کے پیشواؤں کے برابر سمجھنا کمال درجہ کی بے دینی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

سوال: اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه
(پارہ ۸، سورۃ اعراف، آیت ۳)

یعنی تابعداری کرو اُس کی جو اُتاری گئی ہے تمہاری طرف تمہارے رب کی
طرف سے اور نہ تابعداری کرو سوائے اس کے آخر تک۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ
قرآن کی تابعداری کرو نہ تقید کرو کسی کی۔

جواب: اتباع قرآن موقوف ہے۔ اتباع ارشاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ کیونکہ
احکام الٰہیہ کو حضور نے قولاً و عملاً ثابت کر کے ظاہر کر دیا اور اتباع احادیث موقوف ہے۔
اتباع مجتہدین پر جنہوں نے تمام احادیث کو خوب تحقیق کر کے صاف کر کے بیان کر دیا
اور صحت و سقم وغیرہ کلی طور پر کھول دیا اور جس قدر مسائل کہ قرآن و حدیث سے استنباط
ہوتے تھے۔ سب تفصیلاً تحریر کر دیئے۔ پس اب متبع قرآن وہی ہو سکتا ہے جو مجتہدین کا
مقلد ہے۔ کیونکہ مطالب قرآنی کو مجتہدین نے نہایت عمدگی سے تحریر کر دیا ہے۔ ورنہ بغیر
اس کے اتباع قرآن پوری پوری طور پر محال ہے۔ ہاں اگر خالص قرآن کو لیا ہے اور باقی
احادیث و تقلید کو چھوڑنا ہے تو پھر چکڑالوی، نیچری، مرزائی کیوں نہیں بن جاتے۔

سوال: ما اتاکم الرسول فخذوه وما نهكم عنه فانتهوا۔
(پارہ ۲۸، سورۃ حشر، آیت ۷)

یعنی جو کچھ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیویں تو پکڑو اس کو اور جو کچھ منع
کریں اُس سے باز رہو۔ پس معلوم ہوا کہ تقلید منع ہے۔

جواب: تقلید کا تو کچھ ذکر نہیں صرف یہ کہ جو کچھ تم کو رسول علیہ السلام سے ملے اس کو
لے لو۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ہم کو بذریعہ علماء

مجتہدین و محدثین پہنچا ہے۔ اگر ہم علماء کی تقلید کریں تو وہ جو رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے
ہم کو ملے گا۔ اگر تقلید نہ کریں تو جو کچھ حضور علیہ السلام نے دیا ہے وہ ہم کو ہرگز نہیں مل سکتا
پس ثابت ہوا کہ بغیر تقلید کے کوئی صورت نہیں اور نہ بغیر تقلید کے کچھ مل سکتا ہے۔ علاوہ
ازیں یہ آیت مال کی تقسیم کے متعلق ہے اور حسب قاعدہ اہل علم حقیقی اتیان کیلئے حاضری
و موجودگی شرط ہے۔ چنانچہ حرف کُم سے صاف نمایاں ہے۔ پس اگر حقیقی اتیان مراد ہے
تو حرف کُم کے مخاطب وہی لوگ ہیں جو آپ کے وقت میں موجود و حاضر تھے نہ غیر
مقلد۔ اگر ظاہری و عرفی مراد ہے تو یہ سوائے تقلید کے حاصل نہیں۔ پس بہرحال یہ آیت
تقلید کے خلاف نہیں ہے۔

سوال: فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم۔
(پارہ ۵، سورۃ نساء، آیت ۶۵)

یعنی خدا کی قسم ہے نہیں ایماندار ہوتے وہ لوگ جب تک یا محمد (ﷺ) آپ
کو حاکم و منصف مقرر نہ کرلیں اپنے معاملات میں۔ پھر تیرے فیصلہ سے اُن کے دلوں
میں کدورت و مخالفت پیدا نہ ہو بلکہ عمدگی سے تسلیم کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت
کو ہی ہر اک بات میں منصف و فیصلہ کن مقرر کرنا چاہیئے نہ کہ مجتہدین کو۔ پس تقلید کا
وجود ہی نہ رہا تو وجوب کہاں؟

جواب: اس آیت میں ہے کہ جو بات رسول اللہ ﷺ فرمائیں اس کو دل سے یقین کر
کے سچ جان کر عمل کرو۔ خواہ کسی معاملہ میں ہو۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرات مجتہدین کے
فیصلے مطابق ہیں۔ فرمان رسول علیہ السلام کے یا مخالف۔ اگر موافق ہیں تو اس آیت پر
تب ہی عمل ہوگا جب مجتہدین کے فیصلہ جات کو حق جانیں اور ان پر پابند ہوں۔ اگر ہیں
مخالف تو یہ شان جاہلوں و بے علموں کی نہیں ہے کہ باوجود عامی ہونے کے مجتہدین کا

مقابلہ کرے یا جس بات کو جاہل مشکوتی مولوی مخالف کہے وہ ہرگز مخالف نہیں بلکہ حضرات مجتہدین کے فیصلے کو چھوڑ کر غیر مجتہد کی تقلید کرنا سراسر خلاف خدا و رسول علیہ السلام ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وہ فیصلے جو حضور علیہ السلام و صحابہ کرام نے کیے ہیں بلا تقلید نہیں حاصل ہو سکتے۔ غرضکہ تقلید کرنے سے صرف یہی مقصد ہے کہ وہ کلمات و فیصلہ جات و عدالتیں جو موافق ہیں حضرت ﷺ کے ہم کو حاصل ہوں اور بس۔

سوال: خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ و لا تتبعوا السبل (پارہ ۸، سورۃ انعام، آیت ۱۵۳)

یعنی بے شک یہ ہے میرا راستہ سیدھا و مضبوط پس اُس کی تابعداری کرو اور نہ تابعدار ہو جاؤ بہت راستوں کے۔ اور اس کے نیچے ابن مسعود کی حدیث صاف ہے کہ ایک ہی راستہ کی اطاعت حق ہے نہ بہت راستوں کی۔ پس شریعت کو چھوڑ کر اور راستوں پر چلنا سخت منع ہے۔

جواب: بے شک یہ تو ہماری مراد ہے کہ بہت راستوں بہت مذہبوں کی پیروی سخت منع ہے چنانچہ بذیل آیت نمبر ۵ بخوبی ثابت کیا گیا ہے کہ اب بتاؤ کہ صراط مستقیم کیا ہے کس کو کہتے ہیں؟ اور اہل اسلام کے نزدیک صراط مستقیم کے کیا معنی ہیں۔ ہمارے نزدیک تو صراط مستقیم متابعت رسول اکرم ﷺ ہے۔ اب وہ متابعت کیونکر حاصل ہو؟ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جس پر سلف صالحین چلے گئے ہیں جس کو سبیل المومنین کہتے ہیں اُسی پر چلنے سے صراط مستقیم ملتا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں خدا نے ایک جماعت کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے اور بہت فرقوں اور اختلافوں سے روک دیا ہے چنانچہ امام قسطلانی شارح بخاری نے آیت مذکورہ کے تحت میں یہ لکھا ہے:

عن ابن عباس فی تفسیرہ امر اللہ تعالیٰ المومنین بالجماعۃ و نھیٰ عن الاختلاف و الفرقۃ ۔الخ۔

پس بہر حال ہمارا مدعا یہی ہے کہ ایک مذہب کو پکڑو تا کہ ایک جماعت کے ساتھ مل جاؤ اور بہت مذہبوں کی متابعت نہ کرو کہ تم بالکل جدا جدا ہو جاؤ گے جیسا کہ مرزائی، نیچری، چکڑالوی بنتے جاتے ہیں۔ یہ صرف تقلید کے ترک کرنے کا نتیجہ ہے اور اصول اسلام کے چار مسلم ہیں۔ قرآن حدیث، اجماع، قیاس، الحمد للہ کہ یہ آیت ہمارے ہی مطلب کے مفید نکلی۔

سوال: انا وجدنا ابارنا علی امۃ و انا علی اثار ھم مقتدون۔

(پارہ ۲۵، سورۃ زخرف، آیت ۲۳)

یعنی کفار کہا کرتے تھے کہ جس پر ہمارے باپ دادے چلے ہیں اس پر ہم بھی چلیں گے۔ اس قسم کی بہت آیات ہیں قرآن میں جن سے یہی مطلب نکلتا ہے۔ پس یہ کہنا کہ ہمارے باپ دادا مقلد تھے۔ لہذا ہم بھی مقلد ہیں۔ یہ کافروں کا طریق ہے۔

جواب: اوّل تو یہ ہے کہ اس قسم کی آیتوں کے ساتھ خدا نے فرمایا ہے۔

اولو کان اباء ھم لا یعقلون (پارہ ۲، سورۃ بقرہ، آیت ۱۷۰) شیئا و لا یھتدون۔ اولو کان اباء ھم لا یعلمون شیئا و لا یھتدون۔ (پارہ ۷، سورۃ المائدہ، آیت ۱۰۴)

یعنی کیا وہ اپنے آباؤ واجداد کے قدموں پر چلتے رہیں گے۔ خواہ اُن کے باپ دادا بے علم و بے عقل و بے ہدایت ہی ہوں۔ پس ثابت ہوا کہ والدین یا اجداد کی متابعت اُسی وقت تک جائز ہے۔ جب تک علم و ہدایت سے خالی نہ ہو جب دین و

ہدایت کو شامل ہو تو ۱ واجب ہے۔ کیونکہ اپنے باپ دادا کی متابعت من حیث الابوۃ منع نہیں۔ بلکہ من حیث الضلالۃ منع ہے۔ اگر آباؤ اجداد کے مذہب کی متابعت ہرگز ہرجگہ کفروشرک ہوتی تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ویعقوب علیہ السلام کی اولاد کا یوں کہنا کہ (میں نے تابعداری کی اپنے ابا کی ملت کی اور ہم عبادت کریں گے اپنے باپ کے خدا کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ کے خدا کی) ہرگز ہرگز جائز نہ ہوتا بلکہ حسب عقیدہ غیر مقلدین کفروشرک ہوتا۔

کما قال واتبعت ملة ابائی ابراهیم . وملة ابیکم ابراهیم قالوا نعبد الهک و اله اباء ک ابراهیم۔

مثلاً: آج کل بھی کوئی عامی مسلمان کسی بے دین کو کہے کہ میں دین کو سچ اور اسلام کو برحق نجات دہندہ جانتا ہوں کیونکہ میرے تمام باپ دادا بزرگان مقتدین اسی پر گزرے ہیں۔ لہٰذا میں اسلام کو نہیں ترک کر سکتا تو کیا ایسے مسلمان کو بھی غیر مقلدین مشرک وکافر ہی کہیں گے۔ نعوذ باللہ منہم۔ پس ثابت ہوا کہ مطلق ماں باپ وغیرہ کی متابعت منع نہیں۔ اس قسم کی آیات کو تقلید کے شرک ہونے پر پیش کر کے مسلمانوں کو خراب وگمراہ کرنا نہایت جہالت اور خباثت ہے۔

سوال: حدیث میں ہے لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق۔ یعنی کسی مخلوق کی تابعداری ایسی نہیں جائز جس میں کہ خدا کا گناہ لازم آئے۔ یہ بھی تقلید کے رد میں ہے۔

جواب: مخلوق میں رسول علیہ السلام بھی تو داخل ہیں تو کیا ان کی اطاعت سے بھی منہ پھیر لوگے۔ اگر کہو کہ آپ ہرگز ہرگز معصیت کا راستہ نہ بتائیں گے تو یہ کہو کہ حضرات امامانِ دین ہی گناہ کا راستہ دکھاتے ہیں۔ وہ تو عین قرآن وحدیث کا نتیجہ وخلاصہ مطلب

۱: دیکھو تفسیر بیضاوی جلد اوّل صفحہ ۸۹

کھول کر بیان فرما دیتے ہیں۔ ہاں جہاں نص نہیں وہاں پر شارع علیہ السلام کی طرف سے ان کو اجتہاد کی اجازت ملی ہے جیسا کہ آیت نمبر ا کی بحث میں گزرا ہے۔ پس ان کا اجتہاد بھی امورات شرعیہ میں داخل ہے۔ البتہ اگر کوئی جاہل تفسیر محمدی پڑھ کر کہے کہ فلاں فلاں مسئلہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے تو بالکل غیر معتبر ہے۔ ایسے لوگوں کو چاہیئے کہ پہلے اپنا ایمان ہی حاصل کریں۔ مجتہدین کا کوئی مسئلہ قرآن وحدیث کے خلاف نہیں۔ ہاں بے عقل بے علم کو سمجھ نہ آئے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ یہی اصول مرزائیوں، نیچریوں، چکڑالویوں نے باندھا ہے کہ جو حدیث قرآن کے مخالف ہو وہ غلط ہے تو صدہا کیا ہزارہا احادیث کا انکار کر کے مخالفین اہلسنّت ثابت ہوئے۔ یہی اصول غیر مقلدین کا ہے کہ جو اجتہاد خلاف نصوص ہے وہ غلط ہے۔ پس دونوں عقیدے مساوی ہو گئے۔ حاشا وکلا مجتہد کبھی گناہ کا راہ نہ دکھائے گا یہ تو کسی ادنیٰ ایماندار کا کام بھی نہیں۔ چہ جائیکہ حضرات امامانِ دین جن پر دین اسلام کی تحقیق وتصدیق موقوف ہے۔

سوال: حدیث ہے: لا یومن احد کم حتی تکون هواه تبعا لما جئت به یعنی تم میں سے وہی مومن ہے جو میری شریعت کی اطاعت کرے۔ پس اس نے تقلید کو رد کر دیا ہے۔

جواب: یہ محض غباوت وسفاہت کی وجہ سے غیر مقلد سوالات کرتے ہیں ورنہ یہی حدیث دوسرے پہلو پر سائل کے سوال کا جواب ہے۔ وجہ یہ کہ شریعت کے احکام کی تشریح وتوضیح تصحیح وتوثیق وناسخ ومنسوخ، تقدیم وتاخیر وغیرہ۔ سوائے تحقیق وتصدیق مجتہدین کے ملنا محال ہے۔ کیونکہ مجتہدین نے ظاہراً باطناً سعی وقوۃ اجتہادیہ سے بے شمار مسائل نکالے ہیں۔ جن سے شرع شریف کا راستہ آسان ہو گیا ہے۔ پس جس کو شریعت کی فی زمانہ ضرورت ہو وہ بے شک تکلیف کر کے بعمدگی شریعت پر چل سکتا ہے۔ کیونکہ ہم کو جو کچھ پہنچا ہے۔ وہ بذریعہ حضرات علماء دین ہی پہنچا ہے۔

سوال: حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں فرمایا ہے کہ حنفی فرقہ مرجیہ یعنی ناریہ ہے۔

جواب: پہلے یہ بات قابل تحقیق ہے کہ غنیۃ الطالبین حضرت پیر دستگیر غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی ہے یا نہیں؟ بعض حضرات اس طرف ہیں کہ ان کی تصنیف ہے۔ بعض اس طرف ہیں کہ ان کی تصنیف نہیں۔ **کما حققہ عبدالحق محدث دهلوی .**

ع ...... والناس فیما یعشقون مذاهب

اور اس میں بھی شک نہیں کہ حضرت پیرانِ پیر امام طریقت و مقتدائے اہل معرفت ہیں۔ اہل طریقت خصوصاً حضرات قادریہ پر ان کی اطاعت لازم ہے اور حضرات آئمہ اربعہ مجتہدین شریعت ہیں۔ اہل ظواہر پر مسائل شرعیہ میں ان کی تقلید واجب ہے۔ ہم اہلسنت معاملات باطنیہ میں مشائخین کے تابع ہیں اور مسائل شرعیہ میں مجتہدین کے مقلد ہیں اور حضرت پیران پیر باوجود مجتہد فی المذہب ہونے کے خود حنبلی مذہب تھے اور اسی مذہب پر ثابت رہنے کی دعا کرتے تھے۔ چنانچہ اُسی غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں:

الامام ابو عبدالله احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی رحمة الله علیهم و اماتنا علی مذهبه اصلا و فرعا و حشرنا فی زمرته ۔

یعنی مارے ہم کو خدا امام احمد حنبل کے مذہب پر اصول و فروع میں اور اُٹھائے ہم کو خدا قیامت کے دن اُس کی جماعت میں۔ پس ثابت ہو گیا کہ حضرت پیر صاحب کا مذہب حنبلی تھا۔ کما صرح بہ عبدالحق الدهلوی فی رسالۃ مرج البحرین۔ اب حضرت پیر صاحب کا نماز کی بعض سنن وغیرہ میں ہمارے مذہب کے خلاف کرنا مضائقہ ندارد۔ کیونکہ وہ پکے مقلد تھے اور جو کچھ کرتے تھے وہ اپنے مذہب کے موافق

کرتے تھے اور اب رہا یہ کہ لفظ مرجیہ بعض حنفیہ کی نسبت۔ سو اوّل واضح رہے کہ بعض حنفیہ کی نسبت یہ کہنا کچھ محال نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی جماعت اس عقیدہ کی ہو تو اس سے کل حنفی مراد نہیں ٹھہر سکتے۔ کیونکہ اس طرح تو یہود و نصاریٰ آریہ وغیرہ سب مسلمانوں کو کاذب قرار دیں گے۔ مثلاً: مرزائی و نیچری و معتزلہ وغیرہ۔ جنات و دوزخ و ملائکہ و حیات مسیح وغیرہ کے منکر ہیں یا بعض لوگ شفاعت کے منکر ہیں۔ جیسا وہابی، نجدی یا بعض دیدار خدا کے منکر ہیں یا بعض وحی و الہام کے منکر ہیں وغیرہ وغیرہ۔ تو ان فرقوں پر نظر کرنے سے کوئی غیر دین کل مسلمانوں کو منکر امورات مذکورہ نہیں کہہ سکتا۔ اگرچہ فرداً فرداً کسی کسی جماعت کو انکار حاصل ہے اسی طرح بعض حنفیہ کا لفظ بھی قابل الزام کل فرقہ نہیں ہے۔ اگر بعض فرقہ سے کل فرقہ ہی مراد ہے۔ تو پھر تو وہابی ضرور ہی رافضی ہیں۔ کیونکہ وہابی لوگ اپنے آپ کو محمدی مشہور کرتے ہیں۔ چنانچہ فقہ محمدی کتاب کا نام بھی رکھ دیا ہے۔ پیر صاحب محمدی فرقہ کو رافضیوں میں شامل کرتے ہیں۔ چنانچہ اُسی غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں۔

اما الرافضة فتفرقت اربع و عشر فرقة القطبية و الكسانية و الكربية و المغربيه و المحمدية . الخ۔

پس اگر غیر مقلد لوگ محمدی ہیں تو ثابت ہوا کہ یہ رافضی ہیں اور اس میں لفظ بعض بھی نہیں۔

دوم یہ بات رہی جن کی نسبت لفظ مرجیہ کہا گیا ہے ان کی علامت یہ کہ وہ فرقہ ایمان کو معرفت باللہ جانتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

اما الحنفیة فهم بعض اصحاب ابیحنیفة النعمان ابن ثابت زعموا ان الایمان هو المعرفة بالله و لا قرارا یعنی بعض حنفی جن کا زعم یہ ہے کہ

ایمان معرفت حق ہے۔ حالانکہ کتب عقائد حنفیہ میں یہ کہیں نہیں۔ چنانچہ دیکھو عقائد نسفی

الایمان هو التصديق بما جاء به من عند الله والا قرار به قال العلامة فی شرحه ان بعض القدرية ذهب الى ان الايمان هو المعرفة و اطبق علمائنا على فساده .

یعنی ایمان نام ہے تصدیق بما جاء عند اللہ کا اور ساتھ اُس کے اقرار کرنا البتہ بعض قدریہ کا مذہب ہے کہ ایمان نام ہے معرفت کا اور ہمارے علماء اس کے مخالف ہیں

پس معلوم ہوا کہ بعض قدریہ نے اپنے آپ کو حنفی ظاہر کیا ہے انہی کی نسبت لفظ مرجیہ کہا گیا ہے۔ جیسا کہ کئی وہابی اپنے آپ کو بعض بعض قریہ و دیہات میں حنفی ظاہر کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

قال صاحب المواقف و من الفرقة المرجية الغسانية اصحاب غسان الكوفی قالوا الایمان هو المعرفة بالله ورسوله اجمالا لا تفصيلا الى ان قال و غسان كان يحكيه اى هذا القول عن ابيحنيفة و بعده من المرجية و هو افتراء عليه قصدبه ترويج مذهبه لموافقة رجل كبير مشهور . الخ۔ ملخصاً۔

یعنی غسانیہ فرقہ بھی مرجیہ ہے جس کا قول ہے کہ ایمان نام معرفت باللہ کا اور غسان کوفی اس قول کی نسبت حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف کرتا تھا اور اُن کو مرجیہ خیال کرتا تھا مگر یہ محض افتراء بہتان ہے۔ مقصد غسان کوفی کا یہ تھا کہ بڑے بزرگ کی موافقت سے میرا مذہب مشہور ہو جائے گا۔

فی الملل والنحل و من العجب ان غسان كان يحكى عن ابيحنيفة مثل مذهبه و بعده من المرجية ولعله كذب . الخ . وقال

المعتزلة كانوا يلقبون كل من خالفهم فی القدر مرجيا . الخ .

یعنی جو شخص معتزلہ کی مخالفت کرتا تھا اُس کو مرجیہ کہا کرتے تھے۔

سوم یہ کہ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ لفظ مرجیہ کسی غیر نے الحاق و وضع کر دیا ہے چنانچہ حضرت مولانا محدث نعیم اللہ صاحب رسالہ تنقید الکلام میں لکھتے ہیں۔ غرضکہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے دشمن تو بہت ہیں لیکن کیا ہی عمدہ کہا ہے صاحب عقل و اہل علم نے

فلعنة ربنا عداد رمل   على من رد قول ابيحنيفة

یعنی کروڑ در کروڑ بے شمار لعنتیں ہوں اُس شخص پر جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تردید کرے۔ تحقیراً و توہیناً۔

سوال: خداتعالیٰ فرماتا ہے واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا۔

(پارہ ۴، سورۃ آل عمران، آیت ۱۰۳)

یعنی چنگل مارو ساتھ خدا کی رسی کے سب لوگ اور نہ فرقہ فرقہ بن جاؤ۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ تقلید نہ کرو۔ بلکہ قرآن پر عمل کرو۔

جواب: اس آیت کو تقلید کے ساتھ کوئی علاقہ مخالفت کا نہیں۔ کیونکہ اگر مراد یہ ہے کہ قرآن کے اسرار و دقائق حاصل کرو اور اُس پر پورا پورا عمل کرو تو یہ تو ہمارے اہلسنّت و الجماعت مقلدین کو بخوبی حاصل ہے۔ اگر مراد یہ ہے کہ صرف الفاظ پڑھ کر بلا سمجھے سوچے اندھوں کی طرح قبول کرتے جاؤ تو یہ مرزائیوں نیچیریوں، چکڑالویوں نے حاصل کرلیا ہے۔ سو غیر مقلدین بھی اُن کے ساتھ صاف طور پر مل کر الگ ہو جائیں۔ ہمارے حضرات فرقہ اہلسنّت والجماعت یہی تو کہتے ہیں کہ ایک ہی طرف ایک ہی مذہب پر قائم ہو نیا نیا فرقہ نہ تیار کرو۔ اور اہلسنّت کے ساتھ رہنے سے ہی اعتصام بالکتاب حاصل ہوتا ہے۔ یعنی جو شخص اہلسنّت میں مل گیا وہی شخص خدا کے رستے کے

ساتھ چنگل مارتا ہے۔ کیونکہ اہلسنت والجماعت نے جو کچھ قرآن وحدیث کا مطلب لیا ہے وہی خدا اور رسول ﷺ کے نزدیک عمدہ ہے اور جو کچھ مخالفین اہلسنت نے لیا ہے وہ سراسر غلط وغیر معتبر ہے۔ چنانچہ جس نے قرآن پر چنگل مارا وہ تقلید کے وجوب کا قائل ہوا اور جس نے نہ مارا وہ خارج از اہلسنت ہوا۔

سوال: ان الذین فرقوا دینهم و کانوا شیعا لست منهم

(پارہ ۸، سورۃ انعام، آیت ۱۵۹)

یعنی تحقیق جن لوگوں نے فرق کردیا اپنے دین کو یعنی دین میں تفرقہ ڈال دیا ہے تو یا محمد ﷺ ان میں سے نہیں۔ دوسری جگہ صاف حکم ہے ولا تکونوا کالذین تفرقوا الآیۃ۔ یعنی ان لوگوں کی مانند نہ ہوجاؤ جنہوں نے تفرقہ ڈال دیا ہے پس ثابت ہوا کہ تقلید سخت منع ہے۔

جواب: آیت مذکورۃ الصدر کے معنی تو یہ ہیں۔ فرقوں سے مراد اہل سوء و اہل بدعت ہیں اہلسنت والجماعت مراد نہیں۔ دیکھو تفسیر اتقان مطبوعہ لاہور صفحہ ۴۴۴۔

اخرج الطبرانی وغیرہ بسند جید عن عمر بن الخطاب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لعائشة ان الذین فرقوا دینهم هم اصحاب البدع والاهواء من هذه الامة .

پھر اسی تفسیر کے صفحہ ۴۴۲ میں لکھا ہے:

اخرج الدیلمی فی مسند الفردوس بسند ضعیف عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی قوله یوم تبیض وجوه و تسود وجوه . قال تبیض وجوه اهل السنة و تسود وجوه اهل البدعة . الخ .

یعنی اس آیت مذکورہ سے مراد تو بد مذہب و بدعتی ہیں اور دوسری آیت میں

اہلسنت کے چہرے تو سفید ہونگے اور بدعتیوں کے چہرے سیاہ ہونگے۔ اب افسوس ہے ان لوگوں پر جو خواہ مخواہ آیتیں پیش کرتے جاتے ہیں اور دیکھتے نہیں کہ آیات کا کچھ لگاؤ بھی ہے یا نہیں اور اکثر غیر مقلدین کی عادت ہے کہ جو آیات کفار کے حق میں وارد ہیں۔ وہ سب مومنین کے حق میں پیش کرکے وہی نسبت پیدا کرتے ہیں جو کفار کے ساتھ ہے۔ حالانکہ یہ عادت خارجیوں کی تھی۔ دیکھو بخاری باب قتال الخوارج والملحدین صحیح حدیث درج ہے۔

و کان ابن عمر یراهم شرار خلق الله و قال انهم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوها اعلی المومنین .

اور صاحب مجمع البحار بھی یہی نقل کرتے ہیں۔

و کان ابن عمر یراهم شرار خلق الله لا نهم یعتملون الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوها علی المومنین . الخ .

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خارجیوں کو تمام خلقت سے بدتر جانتے ہیں کیونکہ وہ کافروں کی آیات مومنوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ یہی حال ہے غیر مقلدوں کا کہ تقلید کے رد میں ایک آیت بھی نہیں۔ بالخصوص تقلید شخصی کی تردید میں تو تمام نجدی بھی جمع ہوکر دلیل لاویں تو نہ لاسکیں گے۔

سوال: بہرحال تقلید کے بدعت ہونے میں تو کوئی شک وشبہ نہیں اور حدیث شریف میں صاف آیا ہے۔ کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار ۔ ومن احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد ۔ یعنی ہر اک بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے اور جو شے دین میں نو پیدا ہو حالانکہ دین میں سے نہیں وہ مردود ہے۔

جواب: افسوس صد افسوس، غیر مقلدین اس قدر بے علم ہیں کہ خدا کی پناہ، یا تو قصداً

ضد پر اڑ کر اہلسنت والجماعت کے ساتھ عداوت ومخالفت کرتے ہیں یا اولیاء اللہ کی عداوت سے اُن کے دل سیاہ اور آنکھیں بے نور ہوگئی ہیں۔ اب ہم لفظ بدعت کے تفصیلی معنی لکھتے ہیں اور دکھائیں گے کہ علماء دین نے کیا کیا معنی لکھے ہیں اور بدعت کتنے قسم پر ہے اور کون سی بدعت گناہ ہے اور کون سی بدعت ثواب ہے۔ ناظرین اس بحث کو بخوبی یاد رکھیں کہ وقت پر بہت کام آئے گی۔ کیونکہ جس قدر اہلسنت کے معمولات ہیں مثلاً: مولود شریف اور نذر نیاز اور عرس شریف اور ختمات شریف و دیگر امورات کرتے ہیں تو غیر مقلدین وغیرہ یہی حدیث پیش کر کے اپنا دل کا بخار نکالتے ہیں۔

اوّل وہابیوں کے امام مولوی خرم علی صاحب حدیث مذکورہ کے تحت میں لکھتے ہیں ''جو دین میں نئی چیز نکالے جس کی شرع میں کچھ اصل نہ ہو نہ کھلی نہ چھپی اسی کا نام بدعت ہے''۔

امام دوئم غیر مقلدوں کے یعنی ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

من الجهلة من يجعل كل امر ما لم يكن في زمن الصحابة بدعة مذمومة فان لم يقم دليل على قبحه متمسكا بقوله عليه السلام اياكم و محدثات الامور ولا يعلمون ان المراد بذالك ان يجعل في الدين ما هو ليس فيه . (ہدایۃ المرتدین لابن تیمیہ)

یہی بیان شرح مقاصد جلد دوم صفحہ ۲۷۱ میں علامہ تفتازانی نے لکھا ہے۔ یعنی یہ عقیدہ وقول جاہلوں کا ہے کہ جو چیز صحابہ کے وقت میں موجود نہ تھی وہ ضروری بدعت مذمومہ ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اور کتاب حدیقہ ندیہ شرح تحفہ محمدیہ میں محدث عبدالغنی نابلسی لکھتے ہیں:

اما البدعة في الشرع اذا كان فيها اعانة على طاعة شرعية

فانها تكون باذن من الشارع ولو بطريق الاشارة و هي بدعة حسنة

یعنی جس بدعت سے دین کو مدد پہنچے وہ بدعت حسنہ ہے کیونکہ اُس میں شارع علیہ السلام کا اشارہ کافی ہے۔

سوم شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی تحفہ میں لکھتے ہیں:

حدیث من احدث فی امرنا مخصوص است بآنچہ کہ در شرع اصلے نداشتہ باشد نہ از خلفا و نہ اجماع امت ثابت شدہ باشد۔

چہارم: محدث شافعی امام جلال الدین سیوطی اپنے رسالہ میں (جو فاکہانی مالکی کے رد میں ہے) لکھا ہے:

ان البدعة لم تنحصر في الحرام بل قد يكون مباحة مندوبة و واجبة .

یعنی بدعت صرف حرام میں ہی منحصر نہیں بلکہ بدعت واجب ہے اور مندوب بھی ہے اور مباح بھی ہے۔

پنجم: شیخ عبدالحق محدث حنفی شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

''ازانچہ موافق اصول وقواعد سنت است وقیاس کردہ شدہ است برآں آنرا بدعت حسنہ [1] گویند...... وبعضی بدعتہاست کہ واجب است وبعضی مستحسن ومستحب وغیرہ ومن ابتدع بدعۃ ضلالۃ'' کہ وکسیکہ بدعتی کند ضلالۃ راضی نیست ازاں خدا ورسول ﷺ بخلاف بدعت حسنہ کہ دردے مصلحت دین است۔

یعنی وہ بدعت گناہ ہے جس سے برائی حاصل ہو ورنہ جس بدعت سے دین کو

---

[1]: یہی مقصد طریقہ محمدیہ کی شرح جلد اوّل صفحہ ۱۴۶، ۱۴۷ مطبوعہ میں مفصل ہے۔

مدد پہنچے وہ بدعت حسنہ واجب مستحبہ ہے۔

ششم: محدث ابن حجر شافعی کتاب فتح المبین میں لکھتے ہیں:

البدعة منقسمة الى الاحكام الحسنة لا نها اذا عرضت على القواعد الشرعية لم تنحل عن واحد من تلك الاحكام فمن البدع الواجبة ۔الخ۔

یعنی بدعت پانچ قسم پر ہے واجب اور مستحسن اور حرام ومباح وغیرہ۔

ہفتم: شاہ محمد اسحاق صاحب مائۃ مسائل میں لکھتے ہیں۔

البدعة ما احدث ما خلاف الحق للتلقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم او عمل او حاله بنوع شبهة وا ستحسان .الخ

یعنی بدعت وہ ہے جو کہ خلاف ہو شرع کے اور صرف ونحو بھی بدعت حسنہ ہے۔

ہشتم: صاحب مجمع البحار لکھتے ہیں:

كل بدعة ضلالة خص منه واجب او مندوب او مباح .الخ.

یعنی بدعت کی کئی قسمیں ہیں جن میں سے بعض بدعت کرنا واجب بعض مندوب ومباح۔

نہم: امام زرقانی شارح مؤطا نے لکھا ہے:

كل بدعة ضلالة عام مخصوص البعض

یعنی بدعت ضلالت عام ہے جس سے کئی بدعتیں خاص وجدا کی گئی ہیں۔

دہم: چلپی اور مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے:

ان من احدث فى الاسلام راء يالم يكن له فى الكتاب و السنة

سند ظاهرا او خفى ملفوظ او مستنبط فهو مردود عليه .الخ

یعنی جس نے اسلام میں کوئی خیال ایسا پیدا کیا جس کی تائید نہ قرآن سے نہ حدیث سے ظاہراً باطناً استنباطاً نہ ہو (جیسے مرزائی نیچری وغیرہ) تو وہ رائے وخیال مردود ہے۔

یازدہم: علامہ جلیل صاحب سیرۃ الحلبی لکھتے ہیں۔

ما احدث من الجزولم يخالف من ذالک فهو البدعة المحمودة

یعنی جو بدعت نیکی سے ہو اور نکوئی کا مانع بھی نہ آئے تو وہ بدعت حسنہ ومحمودہ ہے۔

دوازدہم: امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں ص ۲۷۱ جلد ۲۔

انما المحذور بدعة تراغم سنة ما موربها .

یعنی اندیشہ اُس بدعت کا ہے جو مٹائے کسی امر مسنونہ کو۔

سیزدہم: فتاویٰ عالمگیریہ باب آداب المسجد جلد پنجم میں ہے:

و كم من شى كان احداثاً وهو بدعة حسنة

یعنی کسی بدعتیں ایسی ہیں جو نیک ہیں۔

احیاء جلد اوّل باب کتابت قرآن میں ہے۔

فكم من محدث حسن یعنی کئی بدعتیں نیک ہیں۔

چہاردہم: فتاویٰ مولانا مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی جلد اوّل ص ۵۰ میں لکھتے ہیں:

محدث امریست کہ نہ موجود بود بخصوصیت درزمانہ نبوی و درزمانہ صحابہ کرام و تابعین کہ مشہود لہا بالخیر اند باشد و نہ اصلش از ادلہ اربعہ۔ یعنی کتاب وسنت واجماع و قیاس یافتہ شود۔ علامہ شریف درحواشی مشکوٰۃ می نویسد۔

المعنى ان من احدث فى الاسلام رايالم يكن له من الكتاب
والسنة سندا ظاهرا او خفيا ملفوظ او مستنبطة فهو مردود عليه و
فاضل معين بن صفى درشرح اربعين نووى مى نويسد فان قلت قد اشتهر ان
البدعة نوعان حسنة و سيئة فكيف يكون كل بدعة ضلالة بلا
تخصيص قلت المراد من البدعة فى الحديث البدعة الشرعية و
هى ما ليس له اصل شرعى و كل ما فعله الشارع او امربه فهو ليس
ببدعة شرعية . الخ

حافظ ابن حجر در ہدیہ ساری مقدمہ فتح الباری در فصل خامس کہ موضوع است
برائے شرح غریب می آرد قولہ من احدث حدثا ای فعل فعلا لا اصل لہ فی الشرع ۔ بس ہر
محدثیکہ کہ وجودش بخصوصیت در زمان از از منہ ثلاثہ نباشد لیکن سندش در دلیلے از ادلہ
اربعہ یافتہ شود ہم مستحسن خواہد شد و استحسان صفت مامور بہ است خواہ صراحۃً یاد وارد شدہ
باشد یا از قواعد کلیہ شرعیہ سندش یافتہ شدہ خواہ واجب باشد خواہ مندوب ۔ الخ۔

غرضکہ خلاصہ تحریرات مذکورہ کا یہ ہے کہ ہر اک بدعت گناہ و حرام نہیں بلکہ
بعض کا کرنا تو واجب، بعض کا مباح، بعض کا مستحسن و مستحب ۔ پس جبکہ بڑے بڑے علماء
دین محدثین نے بدعت کو کئی قسم پر تقسیم کیا ہے ۔ تو پھر جاہلوں کی طرح ایک ہی بدعت
کہے جانا اگر ضد و عداوت نہیں تو اور کیا ہے۔

سوال: یہ تقسیم تو لغو ہے نہ شرعی۔

جواب: نہایت ہی افسوس ہے کہ اہلسنت کی عداوت نے بالکل ان کو اندھا کر دیا ہے۔
دیکھو محدثین نے جو تشریح و توضیح فرمائی وہ شرعی تقسیم ہے یا لغو ہے ۔ کیا محدثوں نے لغت
کی کتابیں لکھی ہیں ۔ یا حدیث کی شرح لکھی ہے ۔ اگر لغوی مراد ہوتی تو صاحب قاموس و

منتہی الارب و لسان العرب وغیرہ اس تعریف کو لکھتے حالانکہ لکھی تو اُن محدثین نے ہے
جن کو حدیث کی تشریح و تفہیم مقصود تھی ۔ پھر اس طرف تو ہو بدعت اور اُس طرف ہو
واجب یا مستحب ۔ اس کے کیا معنی؟ اب تم ہی کہو کہ محدثین نے جو لفظ بدعت کی تشریح
کی ہے اگر یہ شرع میں نہیں تو کس کتاب میں اس لفظ کی تعریف درج ہے ۔ جس کو شرعی
تعریف کہا جائے۔

جواب دوم: اس امر کا خود رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ صاف فرمادیا ہے وہ یہ ہے ۔ سئل رسول
الله صلى الله عليه وسلم عن الامر يحدث ليس فى كتاب ولا سنة الحديث
یعنی سوال کیا صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام سے کہ جو بدعت ایسی ہی ہو کہ نہ
قرآن میں ہو نہ حدیث میں تو اُس کا کیا حکم ہے تو حضرت ﷺ نے فرمایا۔

ينظر فيه العابدون من المومنين ۔ رواه الدارمی۔

یعنی اُس امر محدث میں عابدین مومنین یعنی خاص اہل اللہ لوگ نظر کریں یا سوچیں۔
پس آپ نے جب خاص مومنین کو سوچنے کا حکم دیا تو مجتہدین محدثین بالاتفاق
خاص اشخاص ہیں جو کچھ انہوں نے معنی بدعت کے بیان کیے ہیں وہ سب درست ہیں۔
دوسرا ایک حدیث میں یوں ہے۔

ا راه المومنون حسن فهو عند الله (حسن رواه الموطا)

یعنی جس بات کو مسلمان عمدہ و نیک خیال کریں وہ ہی خدا کے نزدیک بھی
نیک و بہتر ہے ۔ المومنون سے مراد بھی وہی عابدین مومنین ہیں نہ ہر اک کلمہ گو وغیرہ
۔ پس معلوم ہو گیا کہ ہر اک بدعت گناہ نہیں بلکہ بعضے بدعت کا کرنا لازم و موجب اجر و
ثواب ہے اور تقلید بالغرض والمحال اگر بدعت بھی ہو تو وہ واجب ہو گی اصل میں غیر
مقلدوں کی غرض یہ ہے کہ مجتہدوں کی تقلید سے لوگوں کو ہٹا کر اپنی اپنی تقلید کا پتہ اُن

کے گلے میں ڈالیں۔ حالانکہ ایماندار سے کبھی یہ نہ ہوگا کیونکہ کجا مجتہدین اور کجا آج کل کے مخالفین جاہلین۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ مرزائی و نیچری و چکڑالوی وغیرہ اسی نہ تقلید کرنے کا ہی ثمرہ ہے۔

سوال: اگر مرزائی، نیچری، چکڑالوی وغیرہ وہابیوں سے نکلے ہیں تو وہابی کہاں سے نکلے ہیں

جواب: یہ بات سب پر روشن ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضور علیہ السلام تک تمام انبیاء و مرسلین برحق و صادقین اور وہاں سے لے کر تمام مومنین خاص و عام کا سلسلہ برابر تا حال چلا آ رہا ہے۔ اب فرماؤ کہ یہ چوہڑے چمار و ہندو سکھ وغیرہ کہاں سے پیدا ہو گئے ہیں۔ غرض تو یہ ہے کہ اہلسنت کے اصول و قواعد ہی ایسے ہیں کہ کسی طرح غیر مقلد نہیں بن سکتے اور غیر مقلدین نے صاف آزادی کے اصول (انگریزوں کی طرح) باندھ دیئے ہیں لہذا اُن اصولوں پر عمل کر کے ضرور ہی آزاد ہوگا۔ خواہ مرزائی ہو خواہ نیچری خواہ چکڑالوی۔

جواب دوم: یہ فرماؤ کہ ملائکہ بھی اوّل درجہ کے مومنین ہیں اور انبیاء مرسلین و صالحین اُن سے اعلیٰ مومنین ہیں۔ یہ تو خدا کی طرف سے آئے ہیں۔ بھلا یہ کہو کہ شیطان کہاں سے آیا اور کہاں سے پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح عبدالوہاب نجدی پیدا ہوا۔ حضرت ﷺ نے اُن کے حق میں نہ دعا فرمائی بلکہ فرمایا کہ ایک فتنہ و قرن شیطان نجد سے ظاہر ہوگا۔ چنانچہ عبدالوہاب کا حال درمختار باب البغاۃ میں مندرج ہے وہاں سے غیر مقلدین شروع ہوئے وہی پیشگوئی بعینہ صادق ہوگئی۔ اب کیا پوچھتے ہو کہاں سے پیدا ہوئے۔

سوال: ملا علی قاری علیہ الرحمۃ شرح عین العلوم میں لکھتے ہیں:

من المعلوم ان الله ما كلف احدا ان يكون حنفيا او ما لكيا او شافعيا او حنبليا بل كلفهم ان اعملوا بالسنة ان كانوا علماء او تقلدوا علماء ان كانوا جهلاء۔

یعنی خدا نے کسی شخص کو یہ تکلیف نہیں دی کہ وہ حنفی بنے یا شافعی یا مالکی یا حنبلی وغیرہ بلکہ یہ تکلیف تو ضروری ہے کہ عامل بالسنۃ ہوں۔ اگر وہ علماء ہیں اگر بے علم ہیں تو علماء کی تقلید کریں۔

جواب: اگر تکلیف دینے سے مراد یہ ہے کہ اسم وار کسی کو تابع و متبوع نہیں بنایا۔ مثلاً: یا عبدالجبار طعنی یا احمد الله اقم الصلوٰة یا نثار الله امن بالله تو شاید درست ہو۔ کیونکہ اس طرح کسی کو حکم نہیں۔ مگر اس سے یہ ثابت نہ ہوگا کہ احمد اللہ یا عبدالجبار وغیرہ کے واسطے قرآن باعث ہدایت نہیں یا ان کو قرآن پر عمل نصیب نہیں کیونکہ اس طرح تو پھر کوئی شخص مسلمان نہ ثابت ہوگا۔ چنانچہ ہم صفحہ ۲۴ میں اشارہ کر آئے ہیں۔ اب اگر کوئی کہے کہ بے شک نام بنام تو کسی کو حکم نہیں مگر جب یاایها الذين امنوا آ گیا تو عبدالجبار و مولوی احمد اللہ وغیرہ اُس میں آ گئے ہیں۔ تو پھر جواباً یوں کہنا بجا ہے کہ جب خدا نے فرمایا اولی الامر منکم، فاسئلوا اهل الذكر یعنی اہل ذکر اور صاحبان حکم کی اطاعت کرو تو امام ابوحنیفہ و شافعی وغیرہما رحمۃ اللہ علیہم بھی اس میں آ گئے۔ پھر نزاع ہی کیا رہی اور علاوہ ازیں ملا علی قاری نے یہ فقرہ و تقلدو علماء ان كانوا جهلاء صاف فرمایا ہے۔ اس سے ہمارا مطلب پورا نکل آیا کہ جو جاہل ہیں وہ علماء کی تقلید کریں۔ بس یہی مطلب ہمارا ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری کے اقوال پہلے درج ہو چکے ہیں۔ (دیکھو صفحہ ۷۰۶، ۷۰۷ رسالہ ہذا)

سوال: مولانا بحر العلوم عبد العلی شرح مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں:

اذ ما وجب الا ما اوجب الله تعالیٰ والحکم به ولم یوجب علی احد ان یتمذهب بمذهب رجل من الائمة فایجابه تشریع جدید .

یعنی خدا نے کسی پر واجب نہیں کیا کہ مذہب پکڑے کسی امام کا۔ پس امام کے مذہب پکڑنے کو واجب کہنا نئی شرع ہے۔

جواب: یہ تو غیر مقلدوں کی سخت نافہمی ہے۔ ہم ابھی صفحہ ۷۰ میں عبارت شرح مسلم الثبوت لکھ آئے ہیں۔ وہاں پر صاف ہے کہ اگر غیر مجتہد ہے تو ضرور تقلید کرے۔ پس عبارت مذکورہ فی السوال کا مقصد تو یہ ہے کہ خدا نے کسی کو یہ نہیں فرمایا کہ اے لوگو احمد اللہ یا مولوی عبد الجبار یا مولوی ثناء اللہ کی بات کو سچ مان کر عمل کرو۔ پس اب یہ کہنا کہ مولوی احمد اللہ کا مسئلہ صحیح ہے یا مولوی عبد الجبار کا مسئلہ حق ہے یا مولوی ثناء اللہ کا مسئلہ صادق ہے۔ سراسر غلط ہوا کیونکہ ان کے بیانات کو سچ جان کر عمل کرنا بھی شرع جدید ہے۔ جس پر کوئی دلیل شرعی نہیں ہے۔ غرضکہ اس قسم کی عبارتیں غیر مقلدین خود تو سمجھتے نہیں مگر خلق اللہ کو گمراہ کرتے ہیں۔ یہی عبارتیں نذیر حسین غیر مقلد دہلوی نے' محمد حسین بٹالوی نے' محی الدین نو مسلم کتب فروش لاہوری نے' محمد سعید بنارسی نے لوگوں کو سنا سنا کر چاہ ضلالت میں ڈال دیا ہے۔ پناہ بخدا اور امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں صاف لکھا ہے کہ مقلد حنفی کو خلاف اپنے مذہب کے جائز نہیں۔

سوال: شاہ عبد العزیز صاحب تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں:

اور ا مبلغ احکام اوندانستہ ربقہ اطاعت در گردن انداز دو تقلید او لازم شمار دو باوجود ظہور مخالفت حکم او باحکم او تعالیٰ دست از اتباع او برندارد۔

جواب: اس عبارت میں بھی مشکوٰۃ مولوی نے سخت غلطی کھائی ہے۔ دیکھو صاف لکھا ہے کہ اور ا مبلغ احکام اوندانستہ۔ الخ۔ یعنی اماموں کو پیغام رساں و مظہر حق نہ سمجھتے تو وہ تقلید ممنوع ہے۔ سو ہم کو کچھ مضر نہیں کیونکہ ہم تو امامانِ دین کو مظہر احکام و پیغام رسان سمجھتے ہیں۔ ہاں جو شخص زیادہ اعلم و افقہ ہے اسی کی بات کو حق پر سمجھتے ہیں۔ مثلاً تمام امت میں سے بعد صحابہ کرام و ائمہ اربعہ کو اعلم و افقہ جانتے ہیں اور آئمہ اربعہ میں سے حضرت امام اعظم تابعی رضی اللہ عنہ کو بڑا علامہ و فہامہ و افقہ جانتے ہیں نہ صرف فی زمانہ کے مسلمان بلکہ ہمیشہ ہر صدی میں سب لوگ ایسا ہی کہتے رہے ہیں۔ الا من کان من الشاذة۔

پھر دوسرا فقرہ تفسیر کا یہ ہے۔ باوجود ظہور حکم او با حکم خدا یعنی امام کا حکم صاف قرآن کے خلاف ہو۔ اب اس جگہ صرف یہ بات قابل یادداشت ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک دیہاتی تفسیر محمدی پڑھنے والا اور اُردو ترجمہ خوان تو قرآن کو سمجھ کر حق بیان کرے اور ایک مجتہد زمانہ' علامہ یگانہ' نائب پیغمبر' فخر المجتہدین قرآن کو نہ سمجھ کر خلاف قرآن بیان کرے یا یہ ممکن ہے کہ ایک عظیم الشان مجتہد بلکہ افضل المجتہدین سے تو غلطی واقع ہو اور اُس کی تصحیح و اصلاح ایک تقویۃ الایمان و نصیحۃ المسلمین پڑھنے والا کرے۔ معاذ اللہ من ذالک۔

اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی حدیث بظاہر الفاظ قرآنیہ کے خلاف ہو تو کیا وہ جاہل حدیث کو چھوڑ قرآن پر عمل کر لے۔ اگر کر سکتا ہے تو غیر مقلدین سے بڑھ کر چکڑالوی حق پر ہوئے کیونکہ غیر مقلدوں نے فقہ چھوڑ کر اہلحدیث کا دعویٰ کیا۔ چکڑالویوں نے حدیث ترک کر کے اہل قرآن ہونے کا دعویٰ کیا۔ مرزائیوں نے دونوں کو ترک کر کے

اہل الہام ونبوۃ ورسالت کا دعویٰ کیا۔ مگر سب کی اصل ایک ہی ہے یعنی غیر مقلدین۔
پنجاب میں جس قدر ہلاکت وضلالت میں لوگ گرفتار ہوئے اُن کا سبب صرف ایک محمد
حسین بٹالوی ہے۔
(دیکھو رسالہ اشاعت السنہ جلد ۱۱ مطبوعہ ۱۸۸۸ء مصنفہ مولوی محمد حسین بٹالوی)

یہ بات تجربہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ جس کو اپنی شہرت وعزت طلبی و دولت
کمانے کا شوق ہوتا ہے وہ پہلے ہی حنفیوں کے مخالف وامام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی عداوت
پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔

یہی شاہ عبدالعزیز صاحب مذکور رسالہ جواب سوالات عشرہ میں لکھتے ہیں:

لیکن دریں ہر سہ وجہ شرط دیگر ہم است وآں این است کہ تلفیق
واقع نشود۔ یعنی بسبب ترکیب صورتے تحقق شود کہ در ہر دو مذہب
روانباشد مانند آنکہ فصد را ناقص وضو نداند باز بہماں وضو پس امام
بے قرأۃ فاتحہ نماز بگذارد کہ در ہیچ مذہب روانباشد وضو بر مذہب
حنفی باطل گشت ونماز بر مذہب شافعی۔

اور لکھتے ہیں:

اگر سوائے ایں وجوہ ثلثہ ترک اقتداء حنفی نمودہ اقتداء شافعی نماید باہیچ کے مکروہ
قریب بحرام است زیر کہ لعب است در دین۔

اب اُس عبارت مذکور الصدر سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب بھی
تقلید شخصی کو ہی واجب سمجھتے ہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اگر کوئی شخص ہم عصر امام صاحب کا

جو آپ کے علم وفقہ سے حصہ گیر ہو احتیاط وتقویٰ واجتہاد میں مثیل ہو۔ وہ آپ کے کسی
مسئلہ پر کچھ گفتگو کرے۔ مگر ایسا وقوع میں آج تک نہ آیا۔ امام شافعی صاحب جیسے مجتہد
نے آپ کی قبر کے پاس صبح کی نماز میں قنوت نہ پڑی۔ سبب پوچھا تو فرمایا کہ اس امام
کے ادب سے نہیں پڑھا۔ (مرقاۃ ملا علی قاری)

حالانکہ امام شافعی کے مذہب میں نماز صبح میں دعاء قنوت کا پڑھنا سنت
ہے۔ پس جبکہ امام شافعی جیسے جلیل القدر کا یہ حال ہے تو اور کسی کی کیا جرأت ہے
امام بخاری وغیرہ تو امام صاحب کے سامنے کسی حساب میں ہی نہیں۔ اگر امام
بخاری کو آپ چاہ کی برابر خیال کیا جائے اور امام صاحب کو ایک سمندر غیر
محدود کہا جائے۔ تو بے شک درست ہے۔ امام بخاری کا وہ قول وہ تحقیق نہایت
ہی حق وصحیح ہوگا جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے موافق ہو اور جو قول خلاف ہو وہ
بالکل قابل التفات بھی نہیں کیونکہ ایسے شیر یر (فی العلم) کے روبرو دیگر عام
محدثین مثل بخاری وغیرہ مانند عصفور ہیں۔ امام صاحب کا مرتبہ بجز خدا کے کسی کو
معلوم نہیں ایسے امام کی قصداً مخالفت کرنا توہین کرنا، کمال بدقسمتی ومحرومی از
رحمت کا باعث ہے۔

فلعنة ربنا اعدا درمل
علی من ردّ قول ابیحنیفة

غرضکہ اے دوستو! توبہ کرو بدقوموں بدفرقوں، بدمذہبوں سے بچو۔ اُن کے مذہبوں سے اُن کے مذہبی دھوکہ میں نہ آؤ۔ بلکہ اہلسنّت یعنی مقلدین میں خالص عقیدہ سچے دل سے مل کر اپنا ایمان واسلام مضبوط وثابت رکھو۔ آمین۔

تمت بالخیر

====================